بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مسئلہ
# رُؤیتِ ہلال

حضرت مولانا
ابوعمار زاہد الراشدی

- ★ سورج اور چاند کی گردش سے اوقات اور ایام کا تعیُّن
- ★ فلکیاتی حسابات اور رؤیتِ ہلال کا فرق
- ★ فقہی مذاہب کی نظر میں اختلافِ مطالع کا اعتبار
- ★ عالمِ اسلام میں ایک روز آغازِ رمضان یا عید کا امکان
- ★ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا قیام اور کردار

— ناشر —

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں


| | | |
|---|---|---|
| عنوان | : | مسئلہ رؤیتِ ہلال |
| تالیف | : | مولانا ابوعمار زاہد الراشدی |
| مرتب | : | ناصرالدین خان عامر |
| مجموعہ | : | اگست ۲۰۲۴ء |
| ناشر | : | |
| اشاعت | : | |

# ﴿فہرست﴾


☆ پیش لفظ........7
☆ شرعی احکام و معاملات میں سورج اور چاند کی گردش کا اعتبار — (۱۹۹۹ء)........8
• اجتہاد کا شرعی تصور اور ایک مغالطہ........10
• روزہ کے اوقات اور زکوٰۃ کے سال کا تعیّن........11
• ماہِ محرم اور رسومات........12
☆ عیسوی صدی کا آغاز — (۲۰۰۰ء)........14
☆ عالمِ اسلام یا پاکستان میں ایک روز عید کے امکانات — (۲۰۰۰ء)........15
• رؤیتِ ہلال کیوں، سائنسی حسابات کیوں نہیں؟........15
• کیا عالمِ اسلام میں ایک روز عید ممکن ہے؟........16
• کیا پاکستان میں ایک روز عید ممکن ہے؟........17
• پاکستان کی سطح پر مرکزیت کی ضرورت........18
☆ رؤیتِ ہلال کا مسئلہ: قائدین توجہ فرمائیں! — (۲۰۰۳ء)........20
• حالیہ خلفشار اور مسلکی تفریق کا خطرہ........20
• کراچی سے ایک رپورٹ........21
o جامعہ دار العلوم کراچی کے اجتماع کا اعلامیہ........26
☆ رمضان کا چاند: مشترکہ دینی قیادت کی آزمائش — (۲۰۰۳ء)........28
• مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے قیام کا پس منظر........28
• اِس سال کا خلفشار........29
• مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی کی مَساعی........31

- حالیہ تنازع کے تین اہم پہلو.......................................................31
- دینی قائدین سے گزارش.......................................................32

☆ عید کا چاند: تذبذب کی صورتحال اور اس کا حل — (۲۰۰۳ء)....................34

- رؤیتِ ہلال کے مراحل اور خلفشار.......................................................34
- مرکزیت کے خاتمہ اور فرقہ وارانہ کشمکش کا خطرہ.............................36
- پشاور کی رؤیتِ ہلال کی روایت.......................................................37

☆ رؤیتِ ہلال اور اختلافِ مَطالع — (۲۰۰۴ء)....................39

- سرحد اسمبلی کی رمضان اور عید کو سعودیہ سے منسلک کرنے کی قرارداد...............39
- اختلافِ مَطالع اور فقہی مذاہب.......................................................41

☆ امریکہ میں رؤیتِ ہلال کا مسئلہ — (۲۰۰۴ء)....................43

- رؤیتِ ہلال کا اختلاف.......................................................43
- فقہی جواز اور وحدتِ امت کا تقاضہ.......................................................44

☆ امریکہ میں رؤیتِ ہلال کا مسئلہ — (۲۰۰۵ء)....................45

☆ عیسوی تقویم اور ہجری تقویم — (۲۰۰۶ء)....................47

- حکیم محمد سعید شہید اور ہجری صدی کی تقریبات.......................................................47
- مولانا عبد المجید لدھیانوی اور ہجری تقویم.......................................................47
- سعودیہ کے سرکاری نظم میں ہجری تقویم.......................................................48
- یومِ آزادی کی تاریخ: چودہ اگست اور ستائیس رمضان.......................................................49
- والد محترم حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کی یاددہانی.......................................................49

☆ رؤیتِ ہلال کا مسئلہ اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان کے ریمارکس — (۲۰۰۶ء).......51

- مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی اور علماء پشاور کا اختلاف.......................................................51
- مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا پس منظر.......................................................52
  - o مولانا مفتی محمودؒ کی مساعی.......................................................54

○ مولانا مفتی عبد الواحدؒ کا اعتماد...............................54
• متحدہ مجلسِ عمل کی صوبائی حکومت اور حالیہ خلفشار...............................54
☆ قمری تقویم کی ترجیح مولانا مفتی محمودؒ کی نظر میں — (۲۰۰۷ء)...............................56
☆ شمسی وقمری سال اور اجتہاد کا شرعی تصور — (۲۰۰۸ء)...............................58
☆ امریکہ میں رؤیتِ ہلال کا مسئلہ — (۲۰۰۸ء)...............................63
• فلکیاتی حسابات کی بنیاد پر ایام کا تعیّن...............................63
• رؤیتِ ہلال کی بنیاد پر ایام کا تعیّن...............................63
• اختلافِ مَطالع کا معاملہ...............................64
• فقہی اختلافات اور امت کی اجتماعی ضرورت...............................65
• مفتیٔ اعظم سعودی عرب الشیخ عبد العزیز کا موقف...............................67
☆ رؤیتِ ہلال کے سرکاری نظم پر عدمِ اعتماد کیوں؟ — (۲۰۰۹ء)...............................68
• متحدہ مجلسِ عمل اور عوامی نیشنل پارٹی کی صوبائی حکومتوں کا طرزِ عمل...............................68
• مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے قیام کا پس منظر...............................69
• مسجد قاسم علی خان پشاور کا رؤیتِ ہلال کا نجی نظم...............................69
• سعودیہ کے رؤیتِ ہلال پر اعتماد کی تجویز اور اس کا درست لائحہ عمل...............................70
☆ ہجری سال کا آغاز — (۲۰۰۹ء)...............................71
☆ امریکہ میں رؤیتِ ہلال کا مسئلہ — (۲۰۱۱ء)...............................73
☆ فقہی مذاہب اور رؤیتِ ہلال — (۲۰۱۳ء)...............................74
☆ نمازوں کے یکساں اوقات اور رؤیتِ ہلال — (۲۰۱۶ء)...............................76
• نمازوں کے یکساں اوقات کی تجویز...............................77
• مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی پر اعتماد...............................78
☆ ”رؤیتِ ہلال: قانونی وفقہی تجزیہ“ — (۲۰۱۷ء)...............................80
☆ مسئلہ رؤیت ہلال پر دو تجاویز — (۲۰۱۷ء)...............................83

- عالمی سطح پر سعودیہ کی رؤیت پر اعتماد کی تجویز........................................83
- پاکستان میں رؤیتِ ہلال کا نظام مؤثر بنانے کی تجویز..................................84

☆ سورج اور چاند کی نعمتیں — (۲۰۱۸ء)................................................88

# پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ہماری عبادات کے نظام کا ایک بڑا حصہ چاند کی گردش کے ساتھ متعلق ہے اور چاند کا مہینہ چاند کی رؤیت پر طے پاتا ہے۔ اگر انتیس دن کے بعد چاند نظر آجائے تو اگلا مہینہ شروع ہو جاتا ہے ورنہ گزشتہ ماہ کے تیس دن پورے کیے جاتے ہیں۔ پہلی رات کا چاند اس قدر باریک ہوتا ہے کہ اسے دیکھنے کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے فقہاء اسلام نے ضابطے طے کیے ہیں جن میں فقہی اختلاف فطری امر ہے اور اس کے باعث رمضان المبارک اور عیدین کے تعیّن میں بسا اوقات فرق پڑتا ہے جو بحث و مباحثہ کا مستقل موضوع بن جاتا ہے۔ گزشتہ نصف صدی کے دوران اپنے مختلف مضامین میں راقم الحروف نے اس کے بہت سے فقہی اور معاشرتی پہلوؤں پر لکھا ہے جن کا انتخاب فرزند عزیز حافظ ناصر الدین خان عامر نے زیر نظر کتابچہ کی صورت میں مرتب کیا ہے جو امید ہے کہ اس مسئلہ کو سمجھنے میں مفید ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ مرتب کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور ہم سب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادیں، آمین یارب العالمین۔

ابو عمار زاہد الراشدی
خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ
۲ مارچ ۲۰۲۴ء

# شرعی احکام و معاملات میں سورج اور چاند کی گردش کا اعتبار

(مارچ ۱۹۹۹ء کے دوران مسجد امن، باغبانپورہ، لاہور میں خطاب)

بعد الحمد والصلوۃ۔ آج یکم محرم الحرام ہے جو نئے ہجری سال کا پہلا دن ہے۔ ہجری سن کا آغاز جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ہوتا ہے۔ یعنی آنحضرتؐ نے مکہ مکرمہ سے جس سال مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تھی وہاں سے ہجری سن شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ سن چودہ سو بیس کا مطلب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہجرت کو چودہ سو انیس سال پورے ہو چکے ہیں اور بیسواں سال شروع ہے۔ ہجری نبویؐ سے اسلامی سن کے آغاز کا حکم سب سے پہلے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے دیا تھا اور اس کے بعد سے ہماری اسلامی تاریخ اسی حساب سے چلی آرہی ہے۔

دنیا میں سورج اور چاند کی گردش کے حساب سے دو قسم کے سن رائج ہیں:

۱. سورج کی گردش کے لحاظ سے جو سن رائج ہے وہ شمسی کہلاتا ہے اور جنوری، فروری اور مارچ وغیرہ مہینے اسی سن کے مہینے ہیں۔

۲. جبکہ چاند کی گردش کے حساب سے جو سن مروّج ہے وہ قمری کہلاتا ہے اور محرم، صفر، ربیع الاول وغیرہ اس سن کے مہینے ہیں۔ ہجری سن قمری حساب سے ہے۔

مروّجہ شمسی سن عیسوی اور میلادی سن بھی کہلاتا ہے جس کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ہوتا ہے۔ اور ۱۹۹۹ء کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کو اتنے سال گزر چکے ہیں اور ان کی عمر اب دو ہزار سال کے لگ بھگ ہو گئی ہے۔

دنیا میں اوقات اور ایام کے تعیّن کے لیے سورج اور چاند دونوں کی گردش کا حساب چلتا ہے۔ البتہ سورج کی گردش والا سال چاند کی گردش والے سال سے چند دن بڑا ہوتا ہے اور گرمی سردی کے

موسم بھی اس کے ساتھ چلتے ہیں، اس لیے چاند کی گردش والا سال موسم کے حساب سے بدلتا رہتا ہے۔

اسلام میں سورج اور چاند دونوں کی گردش کا اعتبار ہے اور شرعی احکام اور عبادات میں دونوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ دنوں اور مہینوں کا تعیّن چاند کے حساب سے ہوتا ہے، جبکہ اوقات کا تعیّن سورج کے حساب سے کیا جاتا ہے۔ پانچ وقت کی نماز کے اوقات سورج کی گردش کے ساتھ طے پاتے ہیں، فجر کی نماز طلوعِ شمس سے پہلے، ظہر کی نماز زوال کے بعد، عصر کی غروب سے پہلے، مغرب کی غروب کے بعد، اور عشاء کی نماز شفق کے خاتمہ پر پڑھی جاتی ہے اور ان سب اوقات کا تعیّن سورج کی گردش کے ساتھ ہے۔ البتہ رمضان المبارک، عیدین، ۱۰ محرم، حج کے ایام اور دیگر دنوں کا تعیّن چاند کے حساب سے ہوتا ہے۔ اب روزے میں دیکھ لیجئے، روزہ کے دنوں کا تعیّن چاند کے حساب سے کریں گے، مگر روزے کے اوقات کا حساب سورج کے ساتھ ہوتا ہے۔ سحری کا وقت سورج طلوع ہونے سے تھوڑا عرصہ پہلے تک ہے اور افطاری کا وقت سورج غروب ہونے پر ہوتا ہے۔ اس طرح حج کے دنوں کا تعیّن تو قمری اعتبار سے ہوگا مگر حج کے ارکان و افعال کا وقت سورج کے حساب سے طے پائے گا کہ عرفات کب جانا ہے، مزدلفہ کب جانا ہے، رمی کب کرنی ہے، یہ سب معاملات سورج کی گردش کے ساتھ طے ہوتے ہیں۔

الغرض شرعی احکام و معاملات میں سورج اور چاند دونوں کی گردش کا لحاظ رکھا گیا ہے، مگر اس فرق کے ساتھ کہ دنوں کی تعیین چاند کے ساتھ جبکہ اوقات کی تعیین سورج کے ساتھ ہوگی، چنانچہ ہماری تمام عبادات و احکام اس حساب سے چلتے ہیں۔

اس فرق میں کیا حکمت ہے، اس کے بارے میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مثلاً رمضان کا تعیّن اگر سورج کی گردش کے حساب سے طے کیا جائے تو جو مہینہ بھی طے پائے گا وہ ایک ہی موسم میں ہمیشہ آئے گا اور مختلف موسموں کے روزوں کا لطف نصیب نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر اکتوبر کا مہینہ روزوں کے لیے مخصوص ہوتا تو وہ ہر سال اسی موسم میں آتا۔ جبکہ قمری حساب سے رمضان المبارک کے تعیّن سے یہ تنوّع حاصل ہوتا ہے کہ مختلف موسموں کے روزے مل جاتے ہیں اور ایک مسلمان بالغ ہونے کے بعد پچاس برس کی عمر تک سال کے ہر موسم کے روزے رکھ لیتا ہے،

ٹھنڈے بھی، درمیانے بھی، اور گرم بھی، اور اس طرح تنوع قائم رہتا ہے۔

## اجتہاد کا شرعی تصور اور ایک مغالطہ

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جن دنوں ہمارے ہاں جولائی اور اگست کے روزے تھے، قومی اخبارات میں ایک صاحب کی طرف سے تجویز چھپی کہ جون جولائی کے روزے بھٹی پر کام کرنے والے مزدور اور کھیتی میں محنت کرنے والے کاشتکار کے لیے بہت مشکل ہیں، اس لیے علماء کرام کو چاہیے کہ وہ ''اجتہاد'' کر کے رمضان المبارک کو کسی مناسب موسم کے ساتھ مخصوص کر دیں۔ ان صاحب کی تجویز یہ تھی کہ فروری کے مہینہ کو رمضان المبارک قرار دے دیا جائے اور یکم مارچ کو عید الفطر کے لیے مقرر کر دیا جائے، اس طرح نہ صرف روزے مناسب موسم میں مخصوص ہو جائیں گے بلکہ عید کا جھگڑا بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ میں نے اس زمانے میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس غریب کو اپنی تجویز کا تیسرا فائدہ یاد نہیں رہا کہ تیسویں روزے سے ہمیشہ کے لیے چھٹی مل جائے گی اور ۲۹واں روزہ بھی چار سال کے بعد آئے گا۔

ہمارے ہاں اس بات کو لوگوں نے اجتہاد سمجھ رکھا ہے کہ دین کے جس مسئلہ پر عمل میں کچھ مشکل محسوس ہو اس میں اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق ردوبدل کر لیا جائے۔ حالانکہ یہ اجتہاد نہیں، خالص الحاد ہے۔ اور پہلی امتوں نے اسی طرح آسمانی مذاہب کا حلیہ بگاڑا تھا۔ جیسا کہ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیرِ مظہری میں روایات نقل کی ہیں کہ بنی اسرائیل میں رمضان المبارک ہی کے روزے فرض تھے، جو قمری سن کا مہینہ ہے اور موسم کے حساب سے مختلف موسموں میں گردش کرتا رہتا ہے۔ اس زمانے میں بھی جون اور جولائی کے روزے لوگوں کو گراں گزرے تھے اور انہوں نے اپنے علماء کرام سے گزارش کی تھی کہ وہ انہیں شدید گرمی کے روزوں سے نجات دلائیں۔ بنی اسرائیل کے علماء کرام ہماری طرح کے ''ضدی اور ہٹ دھرم'' نہیں تھے بلکہ ''عوام دوست اور روشن خیال'' تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے عوام کی بات مان لی اور رمضان المبارک کے روزوں کو سردی کے موسم میں مخصوص کر دیا۔ البتہ تھوڑی سی شرم و حیا موجود تھی، اس لیے تیس روزوں کے اٹھائیس نہیں کیے بلکہ یہ طے کیا کہ تیس روزے تو پورے رکھیں گے، اور یہ جو گڑبڑ ہم کر رہے ہیں اس کے کفارے کے طور پر دس روزے مزید بھی رکھا کریں گے۔ چنانچہ مذہبی عیسائیوں کو دیکھ لیں کہ وہ

مارچ اپریل کے دوران چالیس روزے رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بنی اسرائیل کی روایات کے حوالے سے اس کا یہ پس منظر بیان کیا ہے۔

## روزہ کے اوقات اور زکوٰۃ کے سال کا تعیّن

الغرض بات یہ عرض کر رہا تھا کہ اسلام میں حسابات و معاملات طے کرنے اور عبادات کی ادائیگی کے لیے سورج اور چاند دونوں کی گردش کا اعتبار کیا گیا ہے اور اس فرق کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مہینوں اور دنوں کا تعیّن چاند کے حساب سے ہوگا، جبکہ اوقات سورج کی گردش کے ساتھ طے پائیں گے۔ اور اس میں حکمت بھی ہے کہ روزہ اور حج میں مختلف موسموں کا تنوّع قائم رہتا ہے۔ یہاں دو مسئلے بھی عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں:

۱. ایک یہ کہ چاند کی گردش میں چونکہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لیے چاند کے طلوع وغیرہ کا حساب رکھنا فرضِ کفایہ ہے اور ہر علاقہ کے کچھ لوگوں کو اس کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے۔ جس طرح ہمارے ہاں رؤیتِ ہلال کمیٹی ہے جس میں سرکردہ علماء کرام اس کا حساب رکھتے ہیں اور چاند دیکھ کر اس کا اعلان کرتے ہیں۔ اگر اس کا کوئی اہتمام بھی کسی علاقہ میں نہ ہو تو وہاں کے سب مسلمان گنہگار ہوں گے۔

۲. دوسرا مسئلہ زکوٰۃ کے حوالے سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں عام طور پر کاروبار وغیرہ کے حسابات جنوری فروری کے شمسی سال کے مطابق رکھے جاتے ہیں، اور چونکہ سرکاری محکموں کے ساتھ سابقہ درپیش ہوتا ہے اس لیے حسابات میں شمسی سال کا لحاظ رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے ادا کرنا ضروری ہے۔ اور اگر کوئی شخص شمسی سن یعنی جنوری فروری کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے گا تو تیس پینتیس سال کے عرصہ میں اس کی ایک سال کی زکوٰۃ ماری جائے گی، کیونکہ اتنے عرصہ میں قمری سال کی گنتی شمسی سالوں سے ایک سال بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے ادا کی جائے۔

## ماہِ محرم اور رسومات

حضراتِ محترم! یہ چند گزارشات ہجری سن کے آغاز کی مناسبت سے عرض کی ہیں۔ اس کے علاوہ محرم الحرام کے ساتھ کچھ تاریخی یادیں بھی وابستہ ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے ہجرت سے اسلامی سن کے آغاز کا حکم دیا تھا ان کی شہادت یکم محرم کو ہوئی۔ اور بخاری شریف کی روایت کے مطابق فرعون کے ظلم سے بنی اسرائیل کو نجات دس محرم کو حاصل ہوئی تھی، جب فرعون اپنے لشکر سمیت بحیرۂ قلزم میں غرق ہو گیا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہمراہ سمندر عبور کر گئے تھے۔ اس مناسبت سے مدینہ منورہ کے یہودی دس محرم کو شکرانے کا روزہ رکھا کرتے تھے، اور جناب نبی اکرمؐ بھی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ البتہ آخری سال یعنی ۱۰ ہجری کو فرمایا کہ یہودیوں کے ساتھ اس روزے میں فرق رکھنا چاہیے اس لیے آئندہ سال دس محرم کے ساتھ ایک اور روزہ ملاؤں گا۔ چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس دن روزہ رکھنا مسنون ہے مگر تنہا اس دن کا روزہ رکھنے کی بجائے اس کے ساتھ نو یا گیارہ محرم کا روزہ بھی ملا لینا چاہیے۔

عاشورا کے بارے میں بعض تاریخی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ دس محرم کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کنارے لگی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہوئی تھی، حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے اپنے پیٹ سے اگل کر پانی سے باہر ڈال دیا تھا، اور حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، وغیر ذٰلک۔ اگر یہ روایات درست ہوں تو کوئی انکار نہیں ہے اور درست نہ ہوں تو کوئی اصرار بھی نہیں ہے۔ مگر بنی اسرائیل والی روایت تو بخاری شریف میں ہے۔

اس کے علاوہ دس محرم کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ اور نواسہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ بھی پیش آیا، جنہیں خاندانِ نبوت کے دیگر معصوم افراد سمیت اس روز کربلا کے میدان میں مظلومیت کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ امام حسینؓ سمیت خانوادۂ نبوت کے افراد کی یہ مظلومانہ شہادت ہماری تاریخ کا ایک المناک باب ہے، اور مختلف گروہ اس کی یاد اپنے اپنے انداز سے مناتے ہیں۔

ہمارے نزدیک دن منانے اور اس طرح کی دیگر رسموں کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے، البتہ بزرگوں کو یاد کرنا، ان کی خدمات کا تذکرہ کرنا، اور انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی

زندگیوں سے سبق حاصل کرنااُن بزرگوں کا ہم پر حق ہے جو ہمیں ہر وقت ادا کرتے رہنا چاہیے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہوں، ان کی اصل یاد یہ ہے کہ ان کی قربانیوں اور خدمات کو یاد کیا جائے، ان کے مشن اور جدوجہد کا ادراک حاصل کیا جائے، ان کے نقشِ قدم پر چلنے کے عزم کو دہرایا جائے اور ان کے اسوہ وسیرت پر چلنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

# عیسوی صدی کا آغاز

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۱۲ جنوری ۲۰۰۰ء)

...... عیسوی صدی کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ہوتا ہے اور چونکہ ہمارے یعنی مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ زندہ آسمانوں پر اٹھا لیے گئے تھے اور قیامت سے پہلے اسی دنیوی زندگی کے ساتھ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، تو اس لحاظ سے یہ عیسوی سن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کا بھی تعیّن کرتا ہے کہ ان کی عمر شمسی لحاظ سے دو ہزار برس ہوگئی ہے اور وہ نسلِ انسانی کی سب سے لمبی عمر والی شخصیت ہیں۔

عیسوی سن کا حساب سورج کی گردش کے مطابق ہوتا ہے جبکہ ہمارے ہجری سن کا حساب چاند کی گردش کے مطابق کیا جاتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں دنوں اور اوقات کے تعیّن و حساب میں سورج اور چاند دونوں کی گردش کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ شرعی احکام میں دنوں کا تعیّن چاند کی گردش سے ہوتا ہے جبکہ اوقات کا تعیّن سورج کی گردش کے مطابق طے پاتا ہے۔ مثلاً آج کل رمضان کا مہینہ جاری ہے، رمضان کے مہینے اور دنوں کا تعیّن ہم چاند دیکھ کر کرتے ہیں جبکہ روزے کے سحری و افطار کے اوقات سورج کی گردش کے مطابق متعیّن ہوتے ہیں۔ یہی حال لیلۃ القدر، عیدین، حج، پنج وقتہ نماز اور دیگر احکام کا ہے۔ چاند کا سال سورج کے سال سے چند دن چھوٹا ہوتا ہے اور غالباً ۳۶ برس کے بعد ایک سال کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس پر ایک بزرگ نے خوب تبصرہ کیا ہے کہ اسلامی شریعت میں دنوں اور مہینوں کے تعیّن میں چاند کی گردش کا اعتبار کرنے کی ایک حکمت یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ مثلاً رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں اور یہ مبارک مہینہ پینتیس چھتیس برس کے دوران سال کے سارے موسموں میں اپنی گردش مکمل کر لیتا ہے۔ اس طرح چودہ پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہونے کے بعد ایک مسلمان کو پچاس برس کی عمر تک مسلسل روزے رکھنے کی صورت میں سال کے ہر موسم کے روزے مل جاتے ہیں۔......

# عالمِ اسلام یا پاکستان میں ایک روز عید کے امکانات

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد-۱۶ جنوری ۲۰۰۰ء)

عید الفطر اس سال بھی پاکستان میں ایک دن نہیں منائی جا سکی کیونکہ صوبہ سرحد کے اکثر علاقوں میں باقی ملک سے ایک دن پہلے منائی گئی ہے۔ برطانیہ میں بھی یہی صورتحال رہی اور عید الفطر ایک روز منانے کی عوامی خواہش اور تمنا ایک بار پھر دم توڑ گئی۔ اس پر مختلف حلقوں میں بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے اور ایسا ہر سال ہوتا ہے کہ عید کے چند روز تک بحث و مباحثہ جاری رہتا ہے لیکن اس حوالے سے کوئی ٹھوس عملی پیشرفت ہوئے بغیر خاموشی طاری ہو جاتی ہے، اور اگلے سال پھر وہی باتیں دہرانے اور علماء کرام اور رؤیتِ ہلال کمیٹی کو جلی کٹی سنانے کے لیے مواقع کا انتظار شروع ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند اصولی باتوں کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے جن سے قارئین کو موجودہ صورتحال کا پس منظر سمجھنے میں کچھ آسانی ہوگی۔

## رؤیتِ ہلال کیوں، سائنسی حسابات کیوں نہیں؟

پہلی بات یہ ہے کہ رمضان اور عید کا چاند آنکھوں سے دیکھنے پر کیوں زور دیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں سائنسی آلات اور حساب کا اعتبار کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ صوموا لرؤیته و افطروا لرؤیته (رواہ مسلم) کہ چاند دیکھ کر رمضان شروع کرو اور چاند دیکھ کر عید الفطر مناؤ۔ ورنہ سائنسی آلات اور سائنسی حساب سے علماء کرام کو کوئی ضد نہیں ہے، اور وہ سورج کے طلوع و غروب کے اوقات، نمازوں کے اوقات کے تعیّن، اور دیگر معاملات میں سائنسی حساب کتاب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ البتہ چاند کے مہینہ کے آغاز کے لیے ”رؤیت“ کو ضروری سمجھتے ہیں جس میں ان کی اپنی رائے کا کوئی دخل نہیں بلکہ جناب رسول اللہؐ

کے ارشاد کی وجہ ہے کہ جہاں انہوں نے رؤیت کا حکم دیا ہے وہاں رؤیت ضروری ہے، اور جہاں اس کا حکم نہیں دیا وہاں معروف اور مرّوجہ حساب کتاب کا لحاظ رکھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔

آخر سورج کے غروب اور طلوع کے ساتھ بھی تو شرعی احکام اور عبادات کا تعلق ہے، کیا علماء کرام کے کسی طبقے نے کبھی اس بات پر زور دیا ہے کہ ہم سورج کو اپنی آنکھوں سے ڈوبتا دیکھ کر روزہ کے افطار اور نمازِ مغرب کے وقت کے آغاز کا فتویٰ دیں گے؟ وہاں وہ ماہرینِ فلکیات کے مرتب کردہ نقشوں اور مروجہ گھڑیوں پر ہی انحصار کرتے ہیں۔ اسی طرح انہیں چاند کے بارے میں ماہرینِ فلکیات کے نقشوں کو فیصلے کا مدار قرار دینے میں بھی کوئی انکار نہیں ہو سکتا، لیکن چونکہ اس کے بارے میں آنحضرتؐ کا حکم باقی معاملات سے مختلف اور جداگانہ ہے کہ آپؐ نے چاند دیکھ کر رمضان المبارک کے آغاز اور چاند دیکھ کر ہی عید کرنے کا حکم دے رکھا ہے، اس لیے علماء کرام رمضان اور عید کے لیے چاند کو آنکھوں سے دیکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

## کیا عالمِ اسلام میں ایک روز عید ممکن ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ کیا عالمِ اسلام میں ایک روز عید ممکن ہے؟ اس سلسلہ میں اصولی طور پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ پورے عالمِ اسلام کا مطلع ایک نہیں ہے۔ مثلاً پاکستان اور سعودی عرب کے وقت میں دو گھنٹے کا فرق ہے، اور سعودی عرب میں سورج پاکستان سے دو گھنٹے بعد غروب ہوتا ہے۔ یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ چاند ایسے وقت میں طلوع ہو کہ پاکستان میں نظر نہ آئے اور سعودی عرب میں نظر آجائے، لہٰذا پاکستان اور سعودی عرب میں ایک دن یا بسا اوقات دو دن کا فرق بھی ہو سکتا ہے، اور یہ بات سائنسی حساب کتاب میں تسلیم شدہ ہے۔ اسی طرح پورے عالمِ اسلام میں اوقات کے فرق کو دیکھ کر اندازہ کر لیجیے کہ انڈونیشیا سے مراکش تک اوقات کے فرق کی ترتیب کیا ہے۔ لہٰذا یہ بات تو طے شدہ ہے کہ تمام مسلم ممالک کا مطلع ایک نہیں ہے اور ایک دن یا کبھی کبھار دو دن کا فرق پڑ جانا معمول کی بات ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مطلع کے اس اختلاف کا شرعاً اعتبار ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء میں اختلاف ہے۔ فقہائے احناف کا معتبر قول یہ ہے کہ رؤیتِ ہلال میں اختلافِ مَطالع کا اعتبار نہیں ہے، چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند حصہ سوم صفحہ ۴۹ میں حضرت مولانا مفتی

عزیز الرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ

”صحیح و مختار مذہب کے موافق اختلافِ مَطالع ہلالِ صوم وفطر میں معتبر نہیں، اہلِ مغرب کی رؤیت سے اہلِ مشرق پر حکم ثابت ہو جاتا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب نے ”درِّ مختار“ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حنابلہ اور مالکیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ چنانچہ اگر اس قول کو اختیار کر لیا جائے تو کوئی الجھن باقی نہیں رہ جاتی اور عالمِ اسلام میں کسی جگہ بھی چاند نظر آ جائے تو پورے عالمِ اسلام میں رمضان المبارک اور شوال المکرم کا آغاز کیا جا سکتا ہے اور عید ایک روز منائی جا سکتی ہے۔

لیکن رؤیت کے نظام اور اس کے فیصلہ کے طریق کار کا مسئلہ پھر حل طلب رہ جاتا ہے کہ اس کا فیصلہ کون کرے گا اور اس فیصلے کا نفاذ کس کی ذمہ داری ہوگی؟ کیونکہ اس وقت خلافتِ عثمانیہ اور مغل حکومت کے خاتمہ کے بعد سے پورے عالمِ اسلام میں کوئی ایسا نظام اور ادارہ موجود نہیں ہے جو عالمِ اسلام کے حوالے سے کسی اجتماعی فیصلے کا مجاز ہو، یا کسی فیصلے کے عملی نفاذ کی اتھارٹی رکھتا ہو۔ اس لیے میرے نزدیک عید ایک دن نہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ کوئی مرکزی نظام اور اتھارٹی موجود نہیں ہے، جس کی وجہ سے ہر مسلک اور علاقہ کے علماء کرام اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں آزاد ہیں۔ چنانچہ اس صورتحال کا خاتمہ اس سے پہلے ممکن نظر نہیں آتا کہ خلافتِ اسلامیہ کا باقاعدہ قیام ہو اور وہ شرعی اتھارٹی کے طور پر رؤیتِ ہلال کا انتظام کر کے اس کے اعلان کی ذمہ داری قبول کرے، کیونکہ پھر کسی علاقہ کے علماء کرام کے لیے جداگانہ فیصلے کا جواز باقی نہیں رہ جائے گا اور پورا عالمِ اسلام ایک روز عید منا سکے گا۔

## کیا پاکستان میں ایک روز عید ممکن ہے؟

تیسری گزارش یہ ہے کہ یہ بات عام ذہنوں میں الجھن کا باعث بنی ہوئی ہے کہ پاکستان تو ایک ملک ہے، یہاں ایک روز متفقہ عید کیوں نہیں ہوتی؟ جبکہ مرکزی سطح پر رؤیتِ ہلال کمیٹی بھی قائم ہے جس میں تمام مکاتبِ فکر کے سرکردہ علماء کرام موجود ہیں اور انہی کے فیصلے پر چاند کے دیکھے یا نہ دیکھے جانے کا اعلان ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے کی پرواہ نہیں کی جاتی اور عام طور پر ایک روز قبل عید منائی جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اس کا تھوڑا سا پس منظر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ پاکستان کے اس علاقہ کے لوگ جہاں زیادہ تر پشتون آباد ہیں، اپنے آپ کو کلچر اور ثقافت کے لحاظ سے افغانستان کے زیادہ قریب سمجھتے ہیں، اور اپنی روایات و اقدار میں اپنے افغان بھائیوں کے قریب رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ افغانستان میں ہمیشہ سے ایک روز پہلے عید ہوتی ہے، جس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ وہاں کی غالب اکثریت حنفی ہے اور وہ احناف کے اصول کے مطابق اختلافِ مَطالع کا اعتبار نہ کرتے ہوئے سعودی عرب میں رؤیتِ ہلال کے اعلان پر عید کر لیتے ہیں، یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ افغانستان کی مغربی سرحد کا پاکستان کے ساتھ وقت کا اتنا فرق موجود ہے کہ پاکستان میں نظر نہ آنے والا چاند افغانستان کے مغربی حصے میں اسی روز نظر آ سکتا ہے، اس لیے وہ ایک روز پہلے چاند دیکھ لیتے ہیں۔ اس لیے جب افغانستان میں عید ہو جاتی ہے تو افغانستان کی سرحد سے ملنے والے پاکستانی علاقوں میں عید نہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

## پاکستان کی سطح پر مرکزیت کی ضرورت

چوتھی گزارش یہ ہے کہ ہمارے ہاں مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی اور صوبہ سرحد کی رؤیتِ ہلال کمیٹی میں اختلاف نے خوفناک صورتحال اختیار کر لی ہے۔ اس سال دو یا تین عیدوں کا ہونا ایک حد تک اس کا شاخسانہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ ان دونوں کمیٹیوں میں اعتماد کی فضا قائم نہیں ہے اور اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ اگر صوبہ سرحد کی کمیٹی نے شہادتوں کی بنیاد پر رؤیتِ ہلال کا فیصلہ کر لیا تھا تو مرکزی کمیٹی کو اسے قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے تھا، اور صوبہ سرحد کی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلہ پر اس کی ذمہ داری کی بنیاد پر ملک بھر میں عید کا اعلان کیا جا سکتا تھا۔

ہمارے خیال میں اس معاملہ کو فوری طور پر اسلامی نظریاتی کونسل یا وفاقی شرعی عدالت کے سپرد کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ عید الاضحیٰ کی آمد سے قبل اس ساری صورتحال کا جائزہ لے کر رؤیتِ ہلال کمیٹی کے لیے کوئی ایسا نظامِ کار اور ضابطۂ اخلاق طے کر دیں جس کی پابندی مرکزی اور صوبائی کمیٹیوں کے لیے ضروری ہو۔ ان کمیٹیوں کا باہمی اختلاف ایک ہی ملک بلکہ ایک ہی صوبہ اور علاقہ میں دو یا تین عیدوں کا باعث نہ بنتا رہے، اور کم از کم پاکستان کے تمام مسلمان تو ایک ہی دن متفقہ طور پر عید منا سکیں۔ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ راقم الحروف نے اس مسئلہ کے حوالے سے

مختلف پہلوؤں کا ایک مختصر واقعاتی جائزہ پیش کیا ہے اور آخری تجویز کے علاوہ کسی معاملہ میں اپنی رائے نہیں دی، ہاں کوئی صاحبِ علم اس سلسلہ میں اظہارِ خیال کریں گے تو مزید معروضات اور مختلف امور پر اپنی رائے پیش کرنے کا موقع بھی آجائے گا۔

# رؤیتِ ہلال کا مسئلہ: قائدین توجہ فرمائیں!

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۲۰ نومبر ۲۰۰۳ء)

## حالیہ خلفشار اور مسلکی تفریق کا خطرہ

رؤیتِ ہلال کا مسئلہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان کے استعفیٰ کے بعد مزید تشویشناک صورت اختیار کر گیا ہے۔ قومی اخبارات میں شائع ہونے والے ایک بیان میں مولانا حسن جان نے فرمایا ہے کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین مولانا مفتی منیب الرحمٰن نے کمیٹی کے دیگر حاضر ارکان کے مشورے اور رائے پر توجہ دینے کی بجائے ذاتی فیصلے پر اڑے رہنے کو ترجیح دی ہے، جس کی وجہ سے ۲۸ اکتوبر کو چاند نظر نہ آنے کا اعلان ان کا ذاتی فیصلہ ہے، کمیٹی کا فیصلہ نہیں ہے۔ نیز وفاقی وزیر اطلاعات اور سیکرٹری مذہبی امور نے اس سلسلہ میں جو بیانات دیے ہیں وہ ہتک آمیز ہیں۔

دوسری طرف مولانا مفتی منیب الرحمٰن کا کہنا ہے کہ کمیٹی کے ارکان نے اس فیصلے پر دستخط کیے ہیں اس لیے یہ کمیٹی کا فیصلہ ہے، مگر صوبہ سرحد میں ایم ایم اے کی حکومت نے اس میں مداخلت کی ہے اور فیصلے کو سبوتاژ کرنے کے لیے سرکاری ذرائع استعمال کیے جا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وفاقی حکومت کو ان کے فیصلے پر عملدرآمد کا اہتمام کرنا چاہیے اور اس سے اختلاف کرنے والوں کو گرفتار کرنا چاہیے۔

اس کے ساتھ ہی کراچی، ملتان اور لاہور کے جن سرکردہ علماء کرام کی طرف سے احتیاطاً ایک روزہ کی قضا کا مشورہ دیا گیا ہے وہ سب دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، جبکہ دوسری طرف بریلوی مکتبِ فکر کے سرکردہ علماء کرام نے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین کے اعلان کے دفاع میں بیانات دیے ہیں، جس سے اس مسئلہ پر مسلکی بنیاد پر تفریق کے خطرات دکھائی دینے لگے ہیں۔

مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کی ساکھ اور اعتماد کا بحال رہنا ضروری ہے ورنہ آئندہ رمضان المبارک اور عیدین کے متفقہ اعلان کے امکانات کم سے کم تر ہوتے چلے جائیں گے۔ عید الفطر قریب آ رہی ہے اور

اس سے قبل فریقین کو قریب لانا اور کسی متفقہ فیصلے کا راستہ نکالنا ضروری ہے ورنہ خلفشار بڑھ سکتا ہے۔ جس سے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کی ساکھ اور اعتماد مجروح ہونے کے علاوہ چاند کا مسئلہ سیاسی اور مسلکی جھگڑوں کی نذر ہونے کا امکان ہے۔ ہمارے خیال میں متحدہ مجلسِ عمل کی ہائی کمان ہی اس سلسلہ میں فوری طور پر کوئی مؤثر رول ادا کر سکتی ہے۔ اگر مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا فضل الرحمٰن، قاضی حسین احمد، پروفیسر ساجد میر اور مولانا سمیع الحق باہمی مشورے سے عملی دلچسپی لیں تو فریقین کو بٹھایا جا سکتا ہے اور مشترکہ حل کی کوئی صورت نکالی جا سکتی ہے۔

## کراچی سے ایک رپورٹ

اس ضمن میں اب تک کی صورتحال کے حوالے سے کراچی سے بعض ذمہ دار حضرات کی طرف سے ایک رپورٹ موصول ہوئی ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، اس گزارش کے ساتھ کہ عالمی اور قومی سطح پر جو لابیاں دینی حلقوں کے اتحاد سے پریشان ہیں اور ان میں خلفشار پیدا کرنے کی تاک میں ہیں، ہمیں ان کو آگے بڑھنے کا موقع نہیں دینا چاہیے اور باہم مل بیٹھ کر مسئلہ کے حل کی کوئی صورت نکال لینی چاہیے۔ رپورٹ درج ذیل ہے:

> ”اس مرتبہ رمضان المبارک کے چاند کے سلسلے میں جو صورتحال پیدا ہو گئی ہے وہ انتہائی افسوسناک ہے لیکن مزید افسوس اس بات کا ہے کہ اخبارات میں مسئلے کی جو تصویر عوام کے سامنے آئی ہے، اس میں چند اہم حقائق جو اس سلسلے میں کلیدی اہمیت رکھتے ہیں، منظرِ عام پر نہیں آئے۔ تاثر یہ پایا جا رہا ہے کہ جو لوگ چیئرمین رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان سے اختلاف کر رہے ہیں یا اسے مشکوک قرار دے رہے ہیں وہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کی مخالفت کر رہے ہیں، حالانکہ صحیح صورتحال یہ ہے کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی اگر اتفاق رائے یا اکثریت سے کوئی فیصلہ کرتی تو اس کے واجب التعمیل ہونے میں کسی کو شبہ نہیں تھا، مشکل اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کی تاریخ میں پہلی بار خود کمیٹی کے درمیان ایسا اختلاف ہوا جس میں صرف چیئرمین ایک طرف تھے اور کمیٹی کے دوسرے حاضر ارکان دوسری طرف، اس سلسلے میں واقعات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا جو اجلاس پشاور میں اتوار ۲۶/اکتوبر کو مغرب کے وقت ہوا تھا، اس میں چیئرمین رؤیتِ ہلال کمیٹی کے علاوہ مندرجہ ذیل صرف تین اراکین شریک ہوئے۔ (۱) شیخ الحدیث مولانا حسن جان صاحب، پشاور (۲) جناب شبیر احمد کاکاخیل، ماہر فلکیات، اسلام آباد (۳) جناب قاری عبد الرشید صاحب، کوئٹہ، بلوچستان۔

۱. ساڑھے سات بجے کمیٹی کی طرف سے چیئرمین نے ریڈیو اور ٹی وی پر چاند نظر نہ آنے کا اعلان کر دیا۔

۲. مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے تینوں ارکان کی رائے یہ تھی کہ چونکہ ابھی ملک کے مختلف اطراف سے رابطہ قائم ہے، اس لیے ابھی نفی کا حتمی اعلان کرنے کے بجائے انتظار کرنا چاہیے اور چاند نظر نہ آنے کے اعلان میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے، مگر بہر حال اعلان ساڑھے سات بجے کر دیا گیا۔ لیکن مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے دو ارکان شیخ الحدیث جناب مولانا حسن جان صاحب اور جناب شبیر احمد کاکاخیل وہیں موجود رہے تاکہ اگر گواہیاں آئیں تو چیئرمین کو اطلاع دے کر اجلاس دوبارہ بلا لیا جائے۔

۳. جب قلات (بلوچستان)، بنو، ہنگو، پنج پیر (سرحد) وغیرہ سے چاند دیکھے جانے کی اطلاعات فون پر موصول ہوئیں اور ان مقامات کے علماء کرام نے فون پر بتلایا کہ انہوں نے گواہیاں شرعی قاعدے کے مطابق وصول کی ہیں تو چیئرمین کو اس کی اطلاع دی گئی اور کمیٹی کا اجلاس دوبارہ ہوا۔

۴. چیئرمین جناب مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے پیر ہی کے روز، جبکہ صوبہ سرحد میں روزہ تھا، دارالعلوم کراچی کے سربراہ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی کو ان کے استفسار پر یہ تفصیل بتائی تھی کہ پہلے اجلاس میں ہم چار افراد شریک تھے (جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں) اور دوسرے اجلاس میں ہم صرف تین افراد شریک تھے، ایک یعنی میں چیئرمین، دوسرے مولانا

حسن جان صاحب، اور تیسرے جناب شبیر احمد کاکاخیل صاحب، جبکہ چوتھے جناب قاری عبد الرشید صاحب کوئٹہ واپس جا چکے تھے۔ ان دو ارکان کمیٹی نے گواہیوں کو قبول کر لیا اور میں نے کہا کہ میں پچھلے فیصلے پر قائم ہوں، نئی گواہیوں پر اگر کوئی روزہ رکھنا چاہے تو رکھ لے۔

مذکورہ بالا تفصیل کو سامنے رکھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا دوسرا اجلاس جو عشاء کے بعد ہوا اس میں کمیٹی نے کوئی متفقہ فیصلہ نہیں کیا بلکہ اس فیصلے میں اختلاف تھا، جیسا کہ ۲۷ اکتوبر کے اخبارات کی رپورٹ سے بھی ظاہر ہے۔ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے دونوں حاضر ارکان کی رائے یہ تھی کہ موجود شہادتوں کی بنیاد پر پیر کے دن روزے کا فیصلہ کر دیا جائے، جبکہ چیئرمین کی رائے مختلف تھی۔ ایسی صورت میں کمیٹیوں اور عدلیہ کے مسلّمہ اصولوں کے مطابق چیئرمین صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ ارکان کی اکثریت کے مطابق فیصلے کا اعلان کر کے اپنی رائے بطور اختلافی رائے ذکر فرما دیتے، لیکن انہوں نے ایسا کرنے کی بجائے یہ اعلان کیا کہ میں اپنے پچھلے فیصلے پر قائم ہوں، جو لوگ نئی شہادتوں کی بنیاد پر پیر کے روز روزہ رکھنا چاہیں وہ روزہ رکھ لیں۔

لہٰذا اب صورتحال یہ ہے کہ ایک طرف کمیٹی کے ارکان کی متفقہ رائے ہے اور دوسری طرف چیئرمین کا اعلان، حالانکہ صدرِ پاکستان کی طرف سے پورے ملک میں رؤیتِ ہلال کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف چیئرمین کو نہیں دیا گیا بلکہ کمیٹی کو دیا گیا ہے جس کا ایک حصہ چیئرمین بھی ہے، اور چیئرمین نے اپنے آخری اعلان میں فیصلے کو کمیٹی کے بجائے خود اپنی طرف منسوب کیا، اور ساتھ ہی دوسری شہادتوں کے بارے میں خود ہی یہ بھی کہا کہ جو لوگ ان کی بنیاد پر روزہ رکھنا چاہیں رکھ لیں، اس اعلان کی وجہ سے صورتحال زیادہ مشکوک اور مبہم ہو گئی۔

اس افسوسناک اور مبہم صورتحال کے لیے پہلے ہی دن سے یہ کوشش کی گئی کہ اس ابہام کا ازالہ خود مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے ذریعے سے ہو جائے اور جناب چیئرمین

اور دوسرے معزز ارکان سے براہ راست ان کا موقف معلوم کر کے کسی ایک متفقہ نتیجے پر پہنچا جا سکے، اور خود مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی ہی کی طرف سے صورتحال کی وضاحت ہوجائے تاکہ ملک میں کوئی خلفشار پیدا نہ ہو۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے پیر ۲۷ اکتوبر کے دن چیئرمین مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی جناب مفتی منیب الرحمٰن صاحب کو فون کر کے صورتحال دریافت کی تو انہوں نے اس اختلاف کا ذکر کیا جو ان کے اور ارکان مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے درمیان پیش آیا تھا۔ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے ان سے کہا کہ بہتر ہوگا کہ اس مسئلہ کے حل کے لیے ہم سب کا باہمی مشورہ ہوجائے۔ مگر انہوں نے کہا کہ میں آج ہی دبئی جا رہا ہوں اور ۳ نومبر کو واپس آؤں گا، مفتی صاحب نے ان سے درخواست کی کہ مسئلہ بہت اہم ہے، پورے ملک کے دارالافتاؤں، علماء وعوام کی طرف سے سوالات آنے شروع ہوگئے ہیں، اگر متفقہ فیصلے میں تاخیر ہوئی تو پورے ملک میں خلفشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اس نزاکت کے پیشِ نظر آپ اگر اپنا سفر ایک دو روز کے لیے ملتوی کر دیں تو بہتر ہے، مگر انہوں نے انکار کیا۔ مفتی صاحب نے ان سے پھر کہا کہ آپ اپنا دبئی کا نمبر ہمیں دے دیں تاکہ مشورہ کے لیے آپ سے رابطہ کی ضرورت ہو تو رابطہ کیا جا سکے۔ انہوں نے کہا کہ ایسا کوئی نمبر میرے پاس نہیں، البتہ وہاں جانے کے بعد ایسا کوئی فون نمبر دستیاب ہوگیا تو اطلاع کر دوں گا۔ اور جب ۳ نومبر کو واپس آجاؤں گا تو کوئی مشورہ بھی ہو سکے گا اور اس میں آپ کو بھی بلا لیا جائے گا۔ مگر انہوں نے دبئی جانے کے بعد کوئی نمبر دیا اور نہ وہاں سے آنے کے بعد کوئی رابطہ کیا۔ اس کے برعکس جس رات کو وہ دبئی گئے اس سے اگلی صبح کو اخبارات میں ایک مسلک کی کئی تنظیموں کے بیانات شائع کرائے گئے کہ چیئرمین کا فیصلہ بالکل درست ہے، ان تنظیموں کے پاس اس دعوے کی کیا دلیل تھی وہ آج تک معلوم نہ ہوسکی۔

اسی اثنا میں مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے دونوں حاضر ارکان اور بلوچستان کے قاری عبدالرشید صاحب سے اور ملک کے ماہر فلکیات سے نیز بنوں، ہنگو، پنج پیر، کوئٹہ،

قلات، پشین اور دیگر مقامات پر جن علماء کرام نے شہادتیں جمع کی تھیں ان تمام کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں اور یہ معلومات کراچی، سندھ اور پنجاب کے تمام اہم دارالافتاء میں بھیجی گئیں، اور ان سے درخواست کی گئی کہ ان معلومات کی روشنی میں خالص فقہی اور شرعی نقطۂ نظر سے غور کیا جائے جن میں مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب کا مدرسہ جامعہ نعیمیہ کراچی بھی شامل تھا۔

رؤیتِ ہلال کمیٹی کے جن ارکان نے پیر کے روزے کی رائے دی تھی ان سے رابطہ کے دوران یہ بات بھی واضح ہوئی کہ انہوں نے پشاور اور چارسدہ کی ان شہادتوں پر اعتماد نہیں کیا جو روایتی طور پر ناقابلِ قبول سمجھی جاتی ہیں، بلکہ پشاور سے وصول ہونے والی شہادتوں کو مسترد کر دیا تھا، نیز متعدّد ماہرین فلکیات سے، جن میں سپارکو کے ایک ماہرِ فلکیات کے علاوہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے ایک رکن جناب شبیر کاکاخیل بھی شامل ہیں، یہ معلوم ہوا کہ اتوار ۲۷ اکتوبر کو چاند نظر آنا مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں تھا، کیونکہ چاند کی عمر اس وقت ۲۴ گھنٹے ہو چکی تھی جبکہ نظر آنے کا امکان ۱۷، ۱۸ گھنٹے کے بعد ہو جاتا ہے۔

چونکہ پیشِ نظر یہ تھا کہ مسئلہ کو خالص شرعی بنیادوں پر حتی الامکان اتفاق رائے سے حل کیا جائے، اس لیے چیئرمین رؤیتِ ہلال کمیٹی کی طرف سے کوئی جواب نہ آنے کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی سے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے فون پر رابطہ کیا اور ان کی قیام گاہ پر ۱۱ نومبر کو بعد تراویح مجلسِ مشاورت طے ہوئی، جس میں چیئرمین مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب کو بھی دعوت دی گئی، مگر جب دعوت دینے کے لیے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ان سے رابطہ کیا تو انہوں نے تشریف آوری کا وعدہ کرنے کے بجائے یہ کہا کہ میں علامہ شاہ احمد نورانی سے رابطہ کر کے جواب دوں گا۔ لیکن پھر ان کا کوئی جواب نہ آیا، بالآخر شاہ احمد نورانی صاحب کی طرف سے ناسازیٔ طبع کی بنا پر مجلسِ مشاورت منسوخ کر دی گئی۔

چونکہ عشرہ آخیرہ قریب آ رہا ہے اور پورے ملک سے سوالات کی بھرمار تھی،

مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین صاحب سے مشاورت کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں، اس لیے کراچی کے جن اداروں کے علماء کرام کو مختصر وقت میں جمع کرنا ممکن ہوا ان کی ایک مجلسِ مشاورت جامعہ دارالعلوم کراچی میں ۱۲ نومبر کو منعقد کی گئی، جس میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے علاوہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ، جامعہ بنوریہ، اشرف المدارس اور جامعہ دارالخیر وغیرہ شامل تھے، سب حضرات کا اس بات پر اتفاق تھا کہ صورتحال چونکہ مبہم ہے اس لیے ملک میں کوئی خلفشار پیدا ہونے سے بچاؤ کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے اور کسی پر کوئی الزام عائد کیے بغیر لوگوں کو خالص دینی بنیاد پر احتیاط کا مشورہ دے دیا جائے۔ چنانچہ اس اجتماع نے رمضان کی تاریخ تبدیل کرکے یا روزے کی قضاء واجب ہونے کا فتویٰ دینے کے بجائے مندرجہ ذیل اعلامیہ جاری کیا:

## جامعہ دارالعلوم کراچی کے اجتماع کا اعلامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

آج بتاریخ ۱۱ نومبر ۲۰۰۳ء کراچی کے اہلِ فتویٰ علماء کا ایک اجتماع دارالعلوم کراچی (کورنگی) میں ہوا جس میں رمضان المبارک کے چاند کے سلسلے میں رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اختلافی فیصلے سے پیدا ہونے والے مسائل پر غور کیا گیا اور متعلقہ حالات وواقعات اور شرعی احکام پر غور وخوض کے بعد حسبِ ذیل قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی:

”ہم پاکستان کے مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اس مرتبہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اختلافی اور مبہم فیصلے کی وجہ سے ۲۷ اکتوبر کو چاند نظر آنے یا نہ آنے کے بارے میں صورتحال کم ازکم مشکوک ضرور ہوگئی ہے، لہٰذا جن حضرات نے پیر ۲۷ اکتوبر کو روزہ نہیں رکھا وہ احتیاطاً ایک روزے کی قضا کرلیں، اور احتیاطاً اعتکاف ۱۵ نومبر کی شام سے شروع کردیا جائے۔

صورتحال کی یہ وضاحت ان حقائق کو سامنے لانے کے لیے کی گئی ہے جن کی

پوشیدہ ہونے کی وجہ سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ اس کا مقصد خدانخواستہ کوئی بحث و مباحثہ کی فضا پیدا کرنا نہیں، نہ کسی کی مخالفت یا موافقت مقصود ہے۔ تمام اہلِ علم اور عوام سے یہ دردمندانہ اپیل ہے کہ خالص عبادت کے مسئلہ کو مسلمانوں میں تفرقہ کا ذریعہ نہ بنایا جائے، اور اگر اختلافِ رائے بھی ہو تو اس کو علمی حد تک محدود رکھا جائے۔“

# رمضان کا چاند: مشترکہ دینی قیادت کی آزمائش

(روزنامہ پاکستان، لاہور - ۲۱ نومبر ۲۰۰۳ء)

رؤیتِ ہلال کا مسئلہ اس سال قومی سطح پر متنازعہ صورت اختیار کرتا نظر آرہا ہے، اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر اس مسئلہ کو سنجیدگی کے ساتھ حل کرنے کی فوری کوشش نہ کی گئی تو عید الفطر کے موقع پر یہ خلفشار وسیع تر صورت اختیار کر جائے گا، اور قوم متفقہ یا کم از کم اکثریتی عید کے ثواب و لطف سے محروم ہو جائے گی۔

## مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے قیام کا پس منظر

اب سے ربع صدی قبل بلکہ اس سے بھی پہلے ہمارے طالب علمی کے دور میں یہ صورتحال عام طور پر پیش آجاتی تھی کہ چاند کی رؤیت کے مسئلہ پر اختلاف ہو جاتا تھا اور بسا اوقات ایک شہر میں دو دن الگ الگ عید منائی جاتی تھی۔ رؤیتِ ہلال یا چاند کے اعلان کے سرکاری نظام پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے عام طور پر علماء کرام سرکاری اعلان پر بھروسہ کرنے کی بجائے چاند کی رؤیت اور اعلان کا خود اہتمام کرتے تھے۔ مسلکی و علاقائی رجحانات بھی اس کا باعث بن جایا کرتے تھے کہ ایک دوسرے کے اعلان پر اعتماد کرنے پر علیحدہ اہتمام کو ترجیح دی جاتی تھی، اور رمضان اور عید باہمی اختلاف کا شکار ہو جاتے تھے۔

ایک بار ایسا بھی ہوا کہ عید کے سرکاری اعلان کو قبول نہ کرنے پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مولانا مفتی محمد حسین نعیمیؒ جیسے اکابر علماء کرام گرفتار کر لیے گئے اور انہیں کم و بیش ایک ماہ جیل میں رہنا پڑا۔ اس کے بعد علماء کرام کے اس مطالبے کو تسلیم کر لیا گیا کہ رؤیتِ ہلال کا نظام تمام مکاتبِ فکر کے سرکردہ اور نمائندہ علماء کرام کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے، اور حکومت اس کمیٹی کے فیصلوں پر عملدرآمد کی ذمہ داری قبول کرے۔ مختلف مکاتبِ فکر کے ذمہ دار حضرات کو مشورہ میں شریک کرنے کی روایت قائم ہوئی، اور بڑے بڑے علماء کرام کی موجودگی

کی وجہ سے آہستہ آہستہ اعتماد کی یہ فضا قائم ہوتی گئی کہ ملک کے اکثر حصوں میں رؤیتِ ہلال کا کوئی متبادل انتظام کرنے کی بجائے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے کو قبول کیا جانے لگا، اور خوشگوار صورت سامنے آنے لگی کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کو اس سلسلے میں فیصلہ کن اور مجاز اتھارٹی کا درجہ حاصل ہوگیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی چند مخصوص علاقوں میں اس سے الگ عمل ہوتا رہا مگر مجموعی طور پر رمضان المبارک، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا تعیّن متفقہ طور پر ہونے لگا۔

## اِس سال کا خلفشار

مگر اس سال اعتماد و اتحاد کی یہ فضا مجروح ہوتی دکھائی دی رہی ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق حالات و واقعات کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ ۲۶ اکتوبر اتوار کو مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اجلاس پشاور میں کمیٹی کے چیئرمین مولانا مفتی منیب الرحمٰن کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں کمیٹی کے مستقل ارکان میں سے ان کے علاوہ صرف ۳/ارکان مولانا حسن جان آف پشاور، جناب شبیر احمد کاکاخیل، اور قاری عبد الرشید آف کوئٹہ شریک تھے۔ ساڑھے سات بجے تک کسی جگہ سے چاند نظر آنے کی اطلاع موصول نہ ہونے پر کمیٹی کے چیئرمین مولانا مفتی منیب الرحمٰن نے طے کیا کہ چاند نہ آنے کا اعلان کر دیا جائے۔ جبکہ کمیٹی کے دیگر شرکاء نے رائے دی کہ ابھی حتمی اعلان نہ کیا جائے بلکہ کچھ مزید انتظار کر لیا جائے، مگر چیئرمین نے اس رائے کو قبول نہ کرتے ہوئے ساڑھے سات بجے ریڈیو اور ٹی وی پر اعلان کر دیا کہ ملک کے کسی حصے سے چاند دیکھے جانے کے اطلاع نہیں ملی اس لیے رمضان المبارک کا آغاز پیر کی بجائے منگل ۲۸ اکتوبر کو ہوگا۔

اس کے بعد چیئرمین اور قاری عبد الرشید وہاں سے روانہ ہوگئے جبکہ دوسرے دو ارکان مولانا حسن جان اور شبیر احمد کاکاخیل وہیں بیٹھے رہے، ان کا خیال تھا کہ اگر اس کے بعد کوئی شہادت یا اطلاع موصول ہو تو وہ چیئرمین سے گزارش کر کے کمیٹی کا دوبارہ اجلاس طلب کر لیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ اس کے بعد مختلف اطراف سے شہادتیں اور اطلاعات موصول ہونا شروع ہوئیں، اس دوران پشاور سے شہادتیں موصول ہوئیں جن پر ان دونوں حضرات نے قناعت نہیں کی۔ مگر بنوں، ہنگو، پنج پیر، کوئٹہ اور پشین سے اطلاعات موصول ہوئیں کہ ان مقامات پر چاند دیکھا گیا اور علماء کرام نے شرعی بنیاد پر شہادتیں لی ہیں، تو مولانا محمد حسن جان اور جناب شبیر احمد کاکاخیل نے مولانا مفتی منیب الرحمٰن سے

رابطہ کیا اور وہ تشریف لے آئے۔ مگر انہوں نے ان اطلاعات اور شہادتوں کو قبول کرنے کی بجائے سابقہ فیصلہ پر قائم رہنا مناسب سمجھا، اور فرمایا کہ وہ اپنے اعلان پر قائم ہیں، ان نئی اطلاعات اور شہادتوں کی بنیاد پر جو حضرات پیر کو روزہ رکھنا چاہیں رکھ لیں۔

یہ ہے اس اختلاف کا نقطۂ آغاز جس کے بعد رمضان المبارک کے چاند کے بارے میں اختلافی بیانات کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو بڑھتے بڑھتے اس مرحلہ تک پہنچ گیا کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے رکن شیخ الحدیث مولانا حسن جان نے کمیٹی کی رکنیت سے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا ہے، اور کراچی کے سرکردہ علماء کرام نے رؤیتِ ہلال کمیٹی کے سلسلہ میں کمیٹی کے چیئرمین مولانا مفتی منیب الرحمٰن کے اعلان پر شک کا اظہار کرتے ہوئے ایک اعلامیہ میں عوام کو مشورہ دیا ہے کہ جن لوگوں نے پیر کو روزہ نہیں رکھا وہ عید کے بعد احتیاطاً یہ روزہ قضا کریں اور اعتکاف بھی ایک روز پہلے شروع کیا جائے۔

ایک قومی روزنامہ میں شائع ہونے والے بیان کے مطابق مولانا حسن جان نے تین باتوں کو اپنے احتجاجی استعفیٰ کی بنیاد بنایا ہے:

۱. ایک یہ کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین نے کمیٹی کے دوسرے ارکان کی رائے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور اپنے ذاتی فیصلے پر اڑے رہے۔
۲. دوسری یہ کہ وفاقی وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد کا بیان بھی خاصا توہین آمیز تھا۔
۳. تیسری یہ کہ وفاقی وزیر مذہبی کے سیکرٹری کا یہ اخباری بیان ہتک آمیز ہے کہ ”سابقہ فیصلہ تبدیل کرانا شرارت پسند عناصر کی طرف سے تھا“۔

مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین مولانا مفتی منیب الرحمٰن کا جو موقف اخبارات کے ذریعے سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ صوبہ سرحد کی حکومت نے رؤیتِ ہلال کمیٹی کو ہائی جیک کرنے کی کوشش کی، انہوں نے غیر متعلقہ لوگوں اور وزراء کو اجلاس میں بٹھایا جو سراسر غلط تھا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کی مقرر کردہ کمیٹی کے فیصلے کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور اس کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا جا رہا ہے، اس طرح حکومت نے کمزوری دکھائی تو پھر کسی فیصلے پر بھی عمل نہیں کرایا جا سکے گا۔ کمیٹی کا اجلاس پشاور میں کرانا درست نہ تھا کیونکہ وہاں ایم ایم اے کی حکومت نے اپنی من مانی کرائی اور اس مقصد کے لیے پولیس کو استعمال کیا گیا۔ انہوں نے (کہا کہ) اسلام آباد سے ہدایات لینے کی بات میں بھی کوئی صداقت نہیں

ہے اور رؤیتِ ہلال کمیٹی کے دیگر ارکان کی مخالفت کی بات بھی سراسر الزام تراشی ہے، فیصلہ پر ان لوگوں کے دستخط موجود ہیں، کیا ان سے ڈنڈے کے زور پر دستخط کرائے گئے تھے؟

## مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی کی مَساعی

اس صورتحال میں کراچی کے سرکردہ علماء کرام بالخصوص دارالعلوم کراچی کے سربراہ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے اس کوشش کا آغاز کیا ہے کہ مسئلہ کو زیادہ بگڑنے سے روکا جائے اور باہمی مصالحت کی صورت نکال لی جائے۔ انہوں نے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین مولانا مفتی منیب الرحمٰن سے رابطہ کیا کہ باہم مل بیٹھ کر کوئی متفقہ راستہ اختیار کر لیا جائے، جس پر انہوں نے جواب دیا کہ وہ دبئی جا رہے ہیں واپسی پر دیکھیں گے۔ دوبئی سے واپسی پر ان سے دوبارہ رابطہ کیا گیا تو بھی باہمی ملاقات و مشاورت کی کوئی صورت طے نہ ہو سکی۔ اس پر جسٹس (ر) مفتی محمد تقی عثمانی نے متحدہ مجلسِ عمل کے سربراہ احمد شاہ نورانی سے بات کی اور یہ مشورہ ہوا کہ ۱۱ نومبر کو تراویح کے بعد مولانا نورانی کی قیام گاہ پر مشترکہ اجلاس ہو جائے جس میں مولانا مفتی منیب الرحمٰن سے بھی شرکت کی گزارش کی جائے۔ مگر یہ اجلاس بھی منعقد نہ ہو سکا اور اس کے بعد دارالعلوم کراچی میں علماء کرام کے اجلاس میں یہ اعلامیہ جاری کیا گیا کہ

> ”ہم پاکستان کے مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اس مرتبہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اختلافی اور مبہم فیصلے کی وجہ سے ۲۶ اکتوبر کو چاند نظر آنے یا نہ آنے کے بارے میں صورتحال کم از کم مشکوک ضرور ہو گئی ہے، لہٰذا جن حضرات نے پیر ۲۷ اکتوبر کو روزہ نہیں رکھا وہ احتیاطاً ایک روزہ کی قضا کر لیں اور احتیاطاً اعتکاف ۱۵ نومبر کی شام سے شروع کر دیا جائے۔“

## حالیہ تنازع کے تین اہم پہلو

اب تک حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر واقعات کی ترتیب کا مختصراً تذکرہ کرنے کے بعد راقم الحروف اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ اس سارے تنازع میں اختلاف کے تین بنیادی نکات سامنے آئے ہیں:

۱. مولانا مفتی منیب الرحمٰن کا ارشاد ہے کہ ۲۶ اکتوبر کو چاند نظر نہ آنے کا ان کا اعلان کمیٹی کا فیصلہ ہے جس کی تعمیل لازمی ہے، اس سے علماء کرام کو اختلاف نہیں کرنا چاہیے، اور حکومت کو اس پر عملدرآمد کا اہتمام کرنا چاہیے۔ جبکہ اختلاف رکھنے والے علماء کا موقف یہ ہے کہ چاند نظر نہ آنے کا فیصلہ صرف چیئرمین کا تھا جو اُن کا ذاتی فیصلہ ہے اور کمیٹی کے دیگر ارکان ان سے متفق نہیں تھے، اس لیے اسے کمیٹی کا فیصلہ قرار دے کر واجب التعمیل کہنا درست نہیں ہے۔

۲. مفتی منیب الرحمٰن کو شکایت ہے کہ سرحد میں ایم ایم اے کی حکومت نے رؤیتِ ہلال کے مسئلہ میں مداخلت کی ہے اور فریق کا کردار ادا کیا ہے جو درست نہیں ہے۔

۳. مولانا حسن جان کا ارشاد ہے کہ وفاقی وزیر اطلاعات اور سیکرٹری امور مذہبی نے ایک خالص دینی اور علمی مسئلے پر طعن و تشنیع کے انداز میں بیان بازی کر کے علماء کرام کی توہین کی ہے جو ناقابلِ برداشت ہے۔

## دینی قائدین سے گزارش

ہمارے خیال میں مسئلہ کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہیے اور سنجیدہ حلقوں کو اس معاملہ میں مداخلت کر کے باہمی اتفاق رائے کی کوئی صورت نکال لینی چاہیے۔

اس ضمن میں وفاقی وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد اور صوبہ سرحد کے وزیر امور مذہبی حافظ اختر علی کے جو بیانات اخبارات میں آئے ہیں وہ ہمارے نزدیک تشویشناک ہیں، اس لیے کہ وفاقی حکومت اور سرحد حکومت کے درمیان یا وفاقی حکومت اور متحدہ مجلسِ عمل کے درمیان معاملات جس انداز میں چل رہے ہیں، اس سے خطرہ ہے کہ رمضان اور عید کے مسائل کہیں سیاسی جھگڑوں کی بھینٹ نہ چڑھ جائیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ

- اس مسئلہ کو مسلکی تفریق اور سیاسی جھگڑوں سے بالاتر رکھنا ضروری ہے، اور
- رمضان المبارک کے چاند کے سلسلہ میں کمیٹی کے چیئرمین کے فیصلے پر اہلِ علم کو علمی بنیاد پر جو اشکال ہے، اس کا ازالہ بھی ضروری ہے۔

ہمارے خیال میں اگر مولانا احمد شاہ نورانی، مولانا فضل الرحمٰن، قاضی حسین احمد، پروفیسر ساجد

میر، اور مولانا سمیع الحق باہمی مشاورت کے ساتھ مداخلت کریں اور فریقین کو اپنے ساتھ بٹھا کر کسی متفقہ فیصلے پر لانے کی کوشش کریں تو عید کے موقع پر قوم کو کسی وسیع تر خلفشار سے بچایا جاسکتا ہے۔

# عید کا چاند: تذبذب کی صورتحال اور اس کا حل

(روزنامہ پاکستان، لاہور- ۴دسمبر ۲۰۰۳ء)

عید الفطر گزر گئی ہے اور ملک بھر میں روایتی جوش و خروش کے ساتھ منائی گئی ہے۔ رؤیتِ ہلال کا تنازع حسبِ توقع عید کے موقع پر بھی قائم رہا۔

## رؤیتِ ہلال کے مراحل اور خلفشار

- صوبہ سرحد کی رؤیتِ ہلال کمیٹی نے اپنے فیصلے کو درست قرار دیتے ہوئے پیر کی شام کو اجلاس طلب کر لیا اور سینکڑوں شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ صادر کر دیا کہ عید الفطر ۲۵ نومبر منگل کو ہوگی۔
- صوبہ بلوچستان کی رؤیتِ ہلال کمیٹی نے بھی اس حد تک صوبہ سرحد کا ساتھ دیا کہ چاند دیکھنے کے لیے اجلاس پیر کی شام کو طلب کر لیا، مگر کوئی شہادت نہ ملنے کی وجہ سے بدھ کی عید کا اعلان کر دیا۔
- جبکہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین مولانا مفتی منیب الرحمٰن اپنے سابقہ فیصلے پر قائم رہے، اور نہ صرف پیر کو کمیٹی کا اجلاس طلب کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اس شام کو چاند دیکھے جانے کے بارے میں صوبہ سرحد کی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے سامنے پیش ہونے والی شہادتوں کو بھی رد کر دیا۔

اس تنازع کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ صوبہ سرحد کے بیشتر حصوں میں منگل کو عید منائی گئی اور باقی تین صوبوں اور صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں بدھ کو عید ہوئی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق پشاور شہر میں بھی یہ صورتحال رہی کہ بہت سے لوگ عید منا رہے تھے جبکہ بعض حضرات روزے سے تھے جنہوں نے دوسرے روز عید کی۔ حتیٰ کہ گورنر سرحد نے بھی وفاق کا نمائندہ ہونے کی بنا پر بدھ کو نمازِ عید الفطر ادا کی۔

یہ صورتحال خلافِ توقع نہیں تھی، ہم اس کالم میں یہ عرض کر چکے تھے کہ اگر مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی اور صوبہ سرحد کی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے درمیان، یا مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین اور ارکان کے مابین تنازع کو ختم کرانے کے لیے عید سے قبل فریقین کو بٹھانے اور مصالحت کرانے کی سنجیدہ کوشش نہ کی گئی تو عید الفطر خلفشار کا شکار ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اگرچہ خلفشار کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہوا مگر رؤیتِ ہلال کے حوالے سے ایک نئی بحث کا آغاز ہو گیا ہے، جو صرف اس لحاظ سے نئی ہے کہ ایک طویل وقفے کے بعد یہ بحث دوبارہ شروع ہوئی ہے، ورنہ اس میں زیرِ بحث آنے والے مسائل اور نکات میں کوئی نکتہ ایسا نہیں ہے جس پر اس سے قبل تفصیل کے ساتھ گفتگو نہ ہو چکی ہو۔ کیونکہ کم و بیش ربع صدی پہلے طویل مباحثے کے بعد قومی سطح پر اس بات پر اتفاق رائے ہو گیا تھا کہ مختلف مکاتبِ فکر کے سرکردہ علماء کرام پر مشتمل مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی قائم کی جائے اور عید یا رمضان المبارک کے چاند کے بارے میں اسی کے اعلان کو حتمی تصور کیا جائے۔

ہمارے خیال میں اس تنازع سے رونما ہونے والے خلفشار کا دائرہ وسیع نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ بلوچستان کی رؤیتِ ہلال کمیٹی کو عید کا چاند پیر کی شام کو دیکھے جانے کی شہادتیں نہیں ملیں، ورنہ رمضان المبارک کے چاند میں کوئٹہ کی رؤیتِ ہلال کمیٹی پشاور کی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے ساتھ متفق تھی۔ اور اگر عید کے چاند میں بھی دونوں کا اتفاق ہو جاتا تو اس خلفشار کا دائرہ ملک کے دوسرے حصوں تک بڑھ سکتا تھا، اس لیے کہ کراچی کے ایک ذمہ دار مفتی صاحب نے مجھے ذاتی طور پر بتایا ہے کہ کراچی کے جن علماء کرام نے رمضان کے چاند کے بارے میں مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان کو کسی حد تک مشکوک قرار دے کر اعتکاف احتیاطاً ایک دن پہلے بیٹھنے اور احتیاط ہی کے طور پر ایک روزہ قضا کرنے کا جو اعلامیہ جاری کیا تھا، اس میں پشاور کی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اعلان اصل بنیاد نہیں بنا تھا، بلکہ کوئٹہ کی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے سامنے پیش ہونے والی شہادتوں اور مذکورہ کمیٹی کے فیصلے کے باعث کراچی کے چند سرکردہ علماء کرام نے یہ اعلان کرنا ضروری سمجھا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عید کے چاند کے بارے میں کوئٹہ کی رؤیت ہلال کمیٹی کو چند شہادتیں مل جاتیں اور وہ منگل کی عید کا فیصلہ کر دیتی تو کراچی اور دوسرے شہروں کے ان علماء کرام کے لیے بھی منگل کو عید نہ کرنے کا اعلان مشکل ہو جاتا، جو اس سے قبل قوم کو اعتکاف ایک دن پہلے بیٹھنے اور ایک روزے کی احتیاطاً قضا کرنے کا مشورہ دے

چکے تھے۔

## مرکزیت کے خاتمہ اور فرقہ وارانہ کشمکش کا خطرہ

ہمارے ہاں گوجرانوالہ میں پیر کی شام تک تذبذب کی فضا موجود تھی۔ بہت سے مراکز میں جہاں ۲۹ویں شب کو تراویح میں قرآن کریم ختم کرنے کا عرصہ سے معمول چلا آرہا ہے، انہوں نے احتیاطاً ایک روز قبل ۲۸ویں شب کو قرآن کریم مکمل کر لیا تھا۔ اور چونکہ اس قسم کے معاملات میں مرکزی جامع مسجد کے اعلان کو شہر میں زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، اس لیے مغرب کے بعد سے ہی فون پر لوگوں نے سوال کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور جب پشاور کی رؤیتِ ہلال کمیٹی نے مبینہ طور پر سینکڑوں شہادتوں کی بنیاد پر منگل کی عید کا اعلان کر دیا تو ان رابطوں میں اضافہ ہو گیا، اور بعض بزرگوں نے مجھ سے یہ تقاضا شروع کر دیا کہ مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ کی طرف سے بھی منگل کو عید منانے کا اعلان کر دیا جائے، مگر میرے پیش نظر تین باتیں تھیں:

۱. ایک یہ کہ کراچی، لاہور، اسلام آباد اور دیگر بڑے شہروں کے علماء کرام کا موقف کیا ہے؟ اسے معلوم کرنا چاہیے اور جو فیصلہ بھی ہو اس کا اعلان اجتماعی طور پر کرنا چاہیے تاکہ خلفشار کو کم سے کم دائرے میں محدود کیا جا سکے۔

۲. دوسری بات یہ تھی کہ کم و بیش ربع صدی کی محنت کے ساتھ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اعتماد اور ساکھ اس درجے پر آئی ہے کہ اس کے اعلان کو رؤیتِ ہلال کے بارے میں قومی سطح پر حتمی تصور کیا جاتا ہے، اس لیے ایک وقتی تنازع اور اختلاف کی وجہ سے اس ساکھ اور اعتماد کو مجروح کرنے کی کوئی صورت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

۳. تیسرا مسئلہ یہ تھا کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین مولانا مفتی منیب الرحمٰن کے رمضان المبارک کے چاند کے بارے میں اعلان سے اختلاف کرنے والے سب علماء کرام دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، اور انہوں نے رمضان المبارک کے دوران اس اختلاف کے اظہار کے مختلف مراحل میں سے کسی مرحلے میں بھی اس بات کا اہتمام نہیں کیا کہ وہ اپنے اختلاف کے بارے میں دوسرے مسالک کے علماء کرام کو بھی اعتماد میں لیں۔ جس کی وجہ سے عملی صورتحال یوں ہو گئی تھی کہ مولانا مفتی منیب الرحمٰن کے فیصلے سے

اختلاف صرف دیوبندی مکتبِ فکر کی طرف سے سامنے آیا اور دوسرے مکاتبِ فکر مثلاً اہلِ حدیث اور اہلِ تشیع نے اپنی خاموشی کی صورت میں مفتی صاحب کے موقف کا ساتھ دیا۔ اس صورتحال میں پنجاب اور سندھ میں منگل کی عید کا اعلان فرقہ وارانہ تنازع کی شکل اختیار کر سکتا تھا، اور میں نے کبھی خود کو ایسی صورتحال کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں پایا، اس لیے مقامی سطح پر کسی مشاورت کا اہتمام کرنے کے بجائے میں نے بڑے شہروں کے علماء کرام سے رابطہ قائم کرنے کو ترجیح دی اور جب نصف شب کے قریب کراچی، لاہور، اسلام آباد اور راولپنڈی کے ذمہ دار علماء نے فون پر بتایا کہ انہوں نے بدھ کے روز عید کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں نے بھی مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ کی طرف سے دوستوں کو بتا دیا کہ ہم بھی بدھ ہی کو عید کریں گے۔

## پشاور کی رؤیتِ ہلال کی روایت

اس طرح عملاً اس بار بھی وہی ہوا جو اس سے قبل کئی بار ہو چکا ہے کہ پشاور اور کچھ دیگر علاقوں میں ایک روز پہلے عید ہوئی اور باقی ملک نے دوسرے دن عید منائی۔ البتہ اس بار فرق یہ تھا کہ صوبائی حکومت اس مسئلہ میں فریق بن گئی جو اسے نہیں بننا چاہیے تھا۔ سرحد میں متحدہ مجلسِ عمل کی صوبائی حکومت کا چاند کے مسئلہ پر فریق بننا ہمارے خیال میں درست نہیں ہے، اس سے خلفشار پیدا ہو گا۔ سرحد حکومت کو یہ مسئلہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کے ارکان کے درمیان ہی رہنے دینا چاہیے تھا اور اس میں فریق کا کردار ادا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن ”رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند“ کے مصداق سرحد حکومت نے فریق بننے کو ترجیح دی جس سے خود سرحد حکومت کو نقصان پہنچا ہے۔

گزشتہ روز چند نوجوان علماء کرام میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے سوال کیا کہ جب پشاور کے سرکردہ اور ذمہ دار علماء کرام نے کہا ہے کہ ان کے سامنے پیر کی شام کو عید کا چاند دیکھے جانے کی سینکڑوں شہادتیں پیش ہوئی ہیں تو ملک کے دیگر حصوں کے علماء کرام نے ان کی اس بات کو قبول نہیں کیا؟ میں نے عرض کیا کہ اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے دیا ہے کہ سرحد کی صوبائی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے کا اطلاق صرف صوبہ سرحد پر ہوتا ہے، ملک کے دوسرے حصوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ معلوم نہیں مفتی صاحب موصوف نے یہ بات پاکستان کے مختلف

حصوں کے مَطالع مختلف ہونے کے مبینہ اصول کو تسلیم کرتے ہوئے کہی ہے، یا حکومتی اختیار اور صوابدید کے دائرہ کار کو سامنے رکھ کر یہ جواب دیا ہے، اس کی وضاحت مفتی صاحب ہی بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔ مگر ان کے اس جواب سے یہ نیا سوال پیدا ہو گیا ہے کہ پاکستان میں رؤیتِ ہلال کے بارے میں اعلان کا حتمی اختیار صرف مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کو حاصل ہے یا علاقائی رؤیتِ ہلال کمیٹیاں بھی الگ طور پر یہ اختیار رکھتی ہیں؟

البتہ میرے نزدیک پشاور کے علماء کرام کا فیصلہ باقی ملک میں قبول نہ کیے جانے کی وجہ اس کہاوت کے ذریعے سے زیادہ بہتر طور پر سمجھ میں آسکتی ہے جو اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ایک لڑکے نے گاؤں سے باہر جا کر ایک ٹیلے پر چڑھ کر اعلان کیا کہ لوگو، اپنا بچاؤ کر لو، شیر آگیا ہے۔ گاؤں میں بھاگ دوڑ شروع ہو گئی مگر تھوڑی دیر کے بعد پتہ چلا کہ شیر کہیں سے نہیں آیا، اس لڑکے نے مذاق کیا ہے۔ ایک آدھ بار اس لڑکے نے پھر ایسا کیا تو تھوڑی بہت ہلچل ہوئی، مگر زیادہ لوگوں نے اس میں دلچسپی نہ لی۔ ایک روز ایسا ہوا کہ فی الواقع ایک شیر گاؤں کی طرف آگیا جس پر اسی لڑکے نے ٹیلے پر چڑھ کر شور مچایا کہ ''شیر آیا شیر آیا'' مگر کسی نے اس کی بات کی طرف توجہ نہ دی اور شیر اطمینان کے ساتھ اپنا کام کر گیا۔

میں پشاور کی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے سامنے پیش کی جانے والی شہادتوں اور ذمہ دار علماء کرام کے فیصلے پر کسی شک کا اظہار نہیں کر رہا، یقیناً یہ شہادتیں پیش ہوئی ہیں اور ان کی بنیاد پر فیصلہ کرنے والے علماء کرام کی نیک نیتی اور سنجیدگی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے، مگر اس سوال کا جواب خود انہیں تلاش کرنا چاہیے کہ ان کے اس اعلان کو باقی ملک میں آخر کیوں قبول نہیں کیا گیا؟ اور سینکڑوں شہادتوں اور اس قدر اہتمام کے باوجود ان کے فیصلے کو ایک بار پھر یہ کہہ کر کیوں ٹال دیا گیا ہے کہ ''چھوڑ جی! پشاور والے تو پہلے بھی اسی طرح کرتے ہیں۔''

باقی رہی بات مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین اور ارکان کے درمیان اختلاف و تنازع کی، تو اس کا حل آج بھی صرف یہ ہے کہ انہیں بٹھا کر باہمی اتفاق سے اختلاف کو دور کرا دیا جائے۔ اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو موجودہ کمیٹی کو توڑ کر نئی کمیٹی تشکیل دی جائے، کیونکہ موجودہ صورت میں یہ کمیٹی آئندہ بھی قوم کو کوئی متفقہ فیصلہ نہیں دے سکے گی۔

# رؤیتِ ہلال اور اختلافِ مَطالع

(روزنامہ پاکستان، لاہور - ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

## سرحد اسمبلی کی رمضان اور عید کو سعودیہ سے منسلک کرنے کی قرارداد

سرحد اسمبلی کی اس متفقہ قرارداد نے رؤیتِ ہلال کے مسئلہ پر ایک بار پھر ہلچل پیدا کر دی ہے کہ مرکزی رویتِ ہلال کو توڑ دیا جائے اور رمضان المبارک اور عیدین وغیرہ کے نظام کو سعودی عرب کے ساتھ منسلک کر کے جس روز سعودیہ میں چاند کا اعلان ہو اُس کے مطابق روزہ اور عید کا پاکستان میں بھی اعلان کر دیا جائے۔

گزشتہ سال رمضان المبارک اور عید الفطر کے چاند کے حوالے سے صوبہ سرحد اور باقی ملک میں جو بدمزگی پیدا ہو گئی تھی، اس کے پس منظر میں سرحد اسمبلی کی یہ متفقہ قرارداد خصوصی اہمیت کی حامل ہے، جس کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر بحث کا سلسلہ جاری ہے۔ سرحد اسمبلی میں یہ متفقہ قرارداد عوامی نیشنل پارٹی کی طرف سے پیش کی گئی جسے متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے حکومتی پارٹی متحدہ مجلسِ عمل کی تائید بھی حاصل ہے۔ اور متحدہ مجلسِ عمل میں چونکہ ملک کے تمام مذہبی مکاتبِ فکر کے لوگ موجود ہیں، اس لیے اسے صرف سیاسی قرارداد کا درجہ حاصل نہیں رہا بلکہ مختلف مکاتبِ فکر کے کردہ علماء کرام کی رضامندی کی جھلک اس میں نمایاں طور پر دکھائی دے رہی ہے۔

ہمارے ہاں کچھ عرصہ قبل تک رمضان المبارک اور عیدین کے چاند کا مسئلہ خاصی پریشانی کا باعث رہا ہے۔ کوئی مرکزی نظام نہ ہونے کی وجہ سے ملک کے مختلف حصوں میں چاند الگ الگ دیکھنے کا اہتمام ہوتا تھا جس کے ساتھ مسلکی اختلافات کا پس منظر بھی شامل ہو جاتا تھا۔ بسا اوقات ایک ہی شہر میں دو دو دن عید ہو جایا کرتی تھی۔ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کی تشکیل کے بعد اس صورتحال میں خاصا فرق آیا اور اگرچہ صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں پھر بھی الگ عید ہو جاتی تھی، مگر عام طور پر ملک بھر میں رمضان المبارک اور عیدین کا نظام مربوط ہو گیا تھا اور ملک کی اکثریت ایک روز عید منانے

لگی تھی۔ اس میں رخنہ گزشتہ سال پیدا ہوا جب صوبہ سرحد کی رؤیتِ ہلال کمیٹی نے رمضان المبارک کے چاند کے سلسلے میں مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا، اور اس سے صوبہ سرحد کے ایک بڑے حصے میں رمضان اور عید کا نظام باقی ملک سے الگ ہو گیا۔

مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا موقف یہ تھا کہ چونکہ وہ حکومت کی طرف سے مجاز اتھارٹی ہے اور اس نے رؤیتِ ہلال کی کوئی تسلی بخش شہادت نہ ملنے کی وجہ سے ۲۹ شعبان کی شام کو چاند نظر نہ آنے اور شعبان کے تیس دن مکمل کرنے کا اعلان کر دیا تھا، اس لیے پورے ملک کو اس فیصلے کی پابندی کرنی چاہیے تھی۔ جبکہ سرحد کی صوبائی حکومت اور رؤیتِ ہلال کمیٹی کا یہ کہنا تھا کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی نے چاند نہ ہونے کے فیصلے میں جلد بازی کی تھی اور فیصلے کے اعلان کے بعد موصول ہونے والی شہادتوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اس لیے اسے شرعی اصولوں کے مطابق شہادتوں کی بنیاد پر رمضان المبارک کے شروع ہو جانے کا اعلان کرنا پڑا۔ یہی صورتحال عید الفطر پر پیش آئی اور دو متضاد اعلانات کی وجہ سے عام لوگوں کے لیے پریشانی کی صورتحال پیدا ہو گئی۔

سرحد اسمبلی نے اس کا حل یہ نکالا ہے کہ سرے سے پاکستان میں چاند دیکھنے کا اہتمام ترک کر کے سعودی عرب کے اعلان کے ساتھ روزے اور عیدین کو منسلک کر دیا جائے تاکہ نہ صرف ملک بھر میں ایک ہی دن روزہ اور عید ہو، بلکہ عید اور روزہ کے حوالے سے عرب ممالک کے ساتھ اتحاد اور یکجہتی کی فضا قائم ہو جائے۔ ہم اس سے قبل کسی موقع پر عرض کر چکے ہیں کہ سرحد کے بعض علاقوں میں باقی ملک سے ایک دن پہلے عید اور روزہ رکھنے کی وجہ رؤیت ہلال سے زیادہ افغانستان کے ساتھ ہم آہنگی کا جذبہ ہے اور افغانستان میں چاند دیکھنے کا سرے سے اہتمام نہیں ہوتا بلکہ وہ سعودی عرب کے اعلان پر روزہ اور عید کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا موقف یہ ہے کہ ہم چونکہ حنفی ہیں اور احناف کا قدیمی مذہب یہ ہے کہ چاند کے مَطالع مختلف ہونے کا شرعاً اعتبار نہیں ہے، اس لیے دنیا کے کسی بھی حصے میں چاند نظر آنے کا شرعی ثبوت ہو جائے تو ہم روزہ اور عید کرنے کے پابند ہیں، جبکہ حرمین شریفین ساری دنیائے اسلام کی عقیدت و احترام کا مرکز ہیں، اس لیے وہاں روزہ اور عید کا اعلان ہو جانے کے بعد دنیا میں کہیں اور چاند دیکھنے کی ضرورت نہیں اور حرمین شریفین کے ساتھ ساری دنیائے اسلام کو روزہ اور عید کا ایک ہی روز اہتمام کرنا چاہیے۔

## اختلافِ مَطالع اور فقہی مذاہب

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ چاند کے طلوع ہونے میں سائنسی طور پر دنیا کے مختلف حصوں میں وقت کا فرق موجود ہے، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک علاقے میں ایک روز چاند نظر آتا ہے اور اس سے دور دوسرے علاقے میں دوسرے روز پہلی رات کا چاند دکھائی دیتا ہے، تو یہ بات بطور ایک واقعہ کے درست ہے۔ چاند کی گردش کے حوالے سے ایسا ہونا ممکن ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے، لیکن کیا شرعاً اس کا اعتبار ضروری ہے؟ اور کیا ایسا کرنا درست نہیں ہے کہ ایک جگہ چاند نظر آجائے تو باقی دنیا کے لوگ اسی کا اعتبار کرتے ہوئے ایک ہی دن روزہ اور عید کا اہتمام کر لیں؟ اسے فقہی اصطلاح میں اختلافِ مَطالع کا اعتبار کرنے یا نہ کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں فقہائے امت کے دو گروہ ہیں۔ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے ''فتاویٰ محمودیہ'' میں اور حضرت مولانا زوار حسین شاہ آف کراچی نے ''عمدۃ الفقہ'' میں اس کی جو تفصیل بیان کی ہے، اس کے مطابق:

۱. حنفی، حنبلی اور مالکی مذاہب کے ائمہ اختلافِ مَطالع کا اعتبار نہیں کرتے، اور ان کا یہ ارشاد ہے کہ دنیا کے کسی بھی حصے میں چاند نظر آنے کا ثبوت ہو جائے تو باقی دنیا کے لیے اس کی پابندی ضروری ہو جاتی ہے۔

۲. البتہ شافعی فقہ کے ائمہ اور احناف میں سے امام زیلعیؒ اور سید انور شاہ کشمیریؒ اختلافِ مَطالع کا اعتبار کرتے ہیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ جہاں چاند دیکھنے میں ایک دن کا فرق پڑ جائے، وہاں مَطالع کا اختلاف معتبر ہے، اور ایک جگہ چاند نظر آنے سے دوسری جگہ کے لوگوں پر روزہ اور عید لازم نہیں ہوتے۔

ہمارے ہاں پاکستان میں اگرچہ عمل اب تک دوسرے قول پر ہو رہا ہے لیکن اہلِ سنت کے تینوں مکاتبِ فکر یعنی بریلوی، دیوبندی اور اہلِ حدیث کے اکابر علماء کرام نے صراحت کی ہے کہ ان کے نزدیک مَطالع کا اختلاف شرعاً معتبر نہیں ہے، اور دنیا میں کسی ایک جگہ بھی چاند کا شرعی ثبوت مل جانے کی صورت میں باقی ساری دنیا کے مسلمان اس کے پابند ہو جاتے ہیں، چنانچہ:

۱. بریلوی فکر کے ممتاز مفتی حضرت مولانا امجد علی اعظمیؒ ''بہار شریعت'' میں لکھتے ہیں کہ ''ایک جگہ چاند ہو تو وہ صرف وہیں کے لیے نہیں بلکہ تمام جہان کے لیے ہے، مگر دوسری جگہ اس کا

حکم اس وقت ہے کہ ان کے نزدیک اس کی تاریخ میں چاند ہونا شرعاً ثابت ہو جائے۔“

۲. دیوبندی مکتبِ فکر کے ایک بڑے مفتی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ نے ”فتاویٰ دار العلوم دیوبند“ میں صراحت کی ہے کہ مَطالع کا اختلاف عملاً موجود ہے لیکن احناف کے نزدیک شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہے، اور اگر مغرب میں چاند نظر آ جانے کا ثبوت شرعی ہو جائے تو اہلِ مشرق اس کے مطابق روزہ رکھنے اور عید کرنے کے پابند ہیں۔

۳. اہلِ حدیث مکتبِ فکر کے ہاں قاضی شوکانیؒ کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، اور ”فتاویٰ محمودیہ“ میں مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے قاضی شوکانی کی ایک طویل عبارت نقل کی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ مَطالع کے اختلاف کا شرعاً اعتبار نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جمہور فقہائے احناف کے ساتھ ساتھ حنبلی اور مالکی فقہ کے ائمہ کرام کے درمیان اس مسئلے پر کوئی اختلاف نہیں۔ اہلِ حدیث مکتبِ فکر کے قاضی شوکانی بھی اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کے مختلف حصوں میں پہلی رات کا چاند نظر آنے کے اوقات میں فرق موجود ہونے کے باوجود مَطالع کے اس اختلاف کا شرعاً اعتبار کرنا ضروری نہیں ہے، اور دنیا کے کسی بھی حصے میں چاند نظر آنے کی صورت میں باقی دنیا کے مسلمان بھی اسی روز عید اور روزہ کا اہتمام کر سکتے ہیں۔ اس لیے ان بزرگوں کی بات مان کر نہ صرف ملک بھر میں ایک ہی روزے اور عید کا اہتمام ممکن ہے، بلکہ عرب ممالک کے ساتھ عید اور روزہ میں ہم آہنگی بھی ہو سکتی ہے۔

اس لیے ہمارے نزدیک سرحد اسمبلی کی یہ متفقہ قرارداد ملک بھر کے دینی حلقوں اور اربابِ حل و عقد کی سنجیدہ توجہ کی مستحق ہے۔ پاکستان کے عوام کی ایک مدت سے خواہش ہے کہ وہ سب ایک ہی دن عید منائیں اور اکٹھے روزہ رکھیں، ان کی یہ خواہش ناجائز نہیں ہے، اسے پورا کرنے میں شرعاً بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اور فقہائے امت کی بڑی تعداد ان کے اس حق کی حمایت کر رہی ہے، تو پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے سرکردہ علماء کرام کو بھی اس پر غور کرنا چاہیے، ان کے مل بیٹھ کر نیا اجتہادی فیصلہ کرنے سے عوام کو یہ خوشی مل سکتی ہے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

# امریکہ میں رؤیتِ ہلال کا مسئلہ

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

رؤیتِ ہلال کا مسئلہ امریکہ میں بھی اسی طرح الجھن کا شکار ہے جیسے ہمارے ہاں پاکستان میں یا برطانیہ میں ہوتا ہے۔ میں ۱۱ اکتوبر کو امریکہ پہنچا تھا اور اس وقت دارالہدیٰ (سپرنگ فیلڈ، ورجینیا) میں ہوں۔ دارالہدیٰ کے سربراہ مولانا عبد الحمید اصغر بہت محبت کرتے ہیں اور احترام سے نوازتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ان کا یہ اصرار بھی ہوتا ہے کہ جتنے دن امریکہ میں رہوں دارالہدیٰ ہی میں رہوں......

## رؤیتِ ہلال کا اختلاف

۱۴/اکتوبر جمعرات کو یہاں ۲۹ شعبان تھی اور شام کو چاند دیکھنا تھا۔ مولانا عبد الحمید اصغر نے، جو انجینئر بھی ہیں، بتایا کہ سائنسی طور پر آج چاند نظر آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ چونکہ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور متعدّد دیگر عرب ممالک میں چاند ہونے کا اعلان ہو گیا ہے اس لیے امریکہ میں بھی ضرور ہو جائے گا، مگر رات ساڑھے دس بجے تک کہیں سے چاند کی کوئی اطلاع نہ ملی۔

- ہمارے مسلک کے چند سرکردہ علماء کرام کا ایک گروپ ٹورانٹو میں رؤیتِ ہلال کا اہتمام کرتا ہے اور بہت سے شہروں کے مراکز و مدارس اسی کے اعلان پر عمل کرتے ہیں۔ دارالہدیٰ بھی اسی نظام سے منسلک ہے، انہوں نے رات گیارہ بجے کے لگ بھگ اعلان کر دیا کہ شمالی امریکہ میں کہیں چاند نظر آنے کی شہادت نہیں ملی اس لیے پہلا روزہ کل جمعہ کی بجائے پرسوں ہفتہ کو ہو گا۔
- مگر عرب مسلمانوں کے کم و بیش سبھی مراکز نے جمعہ کے روزہ کا اعلان کیا، اور جنوبی ایشیا سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی بعض تنظیموں اور علماء کرام نے بھی جمعہ کے روزے کا اعلان

کیا، جس سے عجیب پریشانی کی صورتحال پیدا ہو گئی۔

## فقہی جواز اور وحدتِ امت کا تقاضہ

صبح نمازِ فجر میں دارالہدیٰ کی مسجد میں آنے والے نمازیوں کی ایک بڑی تعداد روزے سے تھی، اور ایک بڑی تعداد روزے کے بغیر تھی۔ سوال و جواب اور چہ میگوئیوں کا ماحول تھا، مجھ سے بعض دوستوں نے پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ میں فتویٰ نہیں دیا کرتا اور جہاں موجود ہوتا ہوں وہاں کے مفتی صاحب کے فتویٰ پر عمل کرتا ہوں اسی وجہ سے آج روزے سے نہیں ہوں۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ جب جمہور فقہائے احناف، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک اختلافِ مَطالع کا اعتبار نہیں ہے، اور کسی ایک جگہ چاند کا ثبوت ہو جائے تو باقی دنیا کے لیے اس پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے، جیسا کہ

- حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ نے "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" میں اس کی صراحت کی ہے،
- بریلوی مکتبِ فکر کے بڑے مفتی مولانا امجد علی اعظمیؒ نے "بہارِ شریعت" میں لکھا ہے،
- اور سلفی بزرگ قاضی شوکانیؒ نے اس کی وضاحت کی ہے،

تو پھر اس سلسلہ میں لمبے بکھیڑے میں پڑنے اور عام مسلمانوں کو خواہ مخواہ پریشانی میں ڈالنے کی بجائے وحدتِ امت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا زیادہ بہتر ہے، اور اکابر علماء کرام کو اس سلسلہ میں باہمی مشاورت کے ساتھ کوئی اجتماعی اجتہادی فیصلہ کرنا چاہیے۔ صوبہ سرحد کی اسمبلی نے اس حوالے سے گزشتہ دنوں جو متفقہ قرارداد منظور کی ہے، میرے نزدیک اس کا پس منظر بھی یہی ہے، اور یہ قرارداد ملک کے علمی و دینی مراکز اور مکاتبِ فکر کی سنجیدہ توجہ کی مستحق ہے۔

پہلا روزہ جمعہ کا ہے یا ہفتہ کا؟ یہ جھگڑا ابھی آگے چلے گا، اعتکاف کے آغاز، طاق راتوں اور ستائیسویں شب کے تعیّن میں یہی اختلاف اور بحث و مباحثہ ایک بار پھر ہو گا، اور پھر عید بھی شاید اس اختلاف کی زد میں آجائے۔ خدا جانے ہم علماء کرام اس قدر مشکل پسند کیوں ہو گئے ہیں کہ امت کے لیے آسانی کا کوئی راستہ شرعی اصول و ضوابط کے دائرہ میں رہتے ہوئے نظر آجائے تب بھی اس کی طرف قدم بڑھانے کو ہمارا جی نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

# امریکہ میں رؤیتِ ہلال کا مسئلہ

(روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۵ء)

میں ۱۰ ستمبر کو امریکہ پہنچا تھا۔ ۱۰ اکتوبر کو وہاں سے لندن واپسی ہوئی اور اس وقت ساؤتھ لندن میں بیٹھا یہ سطور تحریر کر رہا ہوں۔ امریکہ میں ایک ماہ کے قیام کے دوران نیویارک کے علاقوں بروکلین، کوئینز اور لانگ آئی لینڈ، ورجینیا کے علاقے سپرنگ فیلڈ اور اس کے علاوہ اٹلانٹا، برنگھم، بالٹیمور، واشنگٹن ڈی سی، نیوجرسی اور دیگر علاقوں میں مختلف دینی اجتماعات میں حاضری کا موقع ملا۔ پہلا روزہ میں نے برنگھم الباما میں منگل کو رکھا۔ وہاں کے علمائے کرام نے سعودی عرب کے ساتھ رمضان المبارک شروع کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں اس روز وہیں تھا، اگرچہ مجھے اس سے اتفاق نہیں تھا، مگر مقامی علمائے کرام کے فیصلے کے احترام میں پہلا روزہ میں نے ان کے ساتھ رکھا۔ پاکستان میں جمعرات کو پہلا روزہ تھا، اس طرح اس سال میرے روزے اکتیس تو یقیناً ہوں گے، جبکہ بتیسویں روزے کا امکان بھی موجود ہے۔ برنگھم کے احباب نے اس سلسلے میں مجھ سے بات کی تو میں نے عرض کیا کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے، فقہاء کے دونوں اقوال موجود ہیں اور دونوں طرف دلائل بھی ہیں۔

۱. ایک یہ کہ اختلافِ مَطالع کا اعتبار نہ کیا جائے اور دنیا میں جہاں کہیں بھی چاند نظر آجائے، پورے عالم اسلام میں اس کے مطابق روزے اور عید کا ایک ہی دن اہتمام کیا جائے۔ جدید ترین مواصلات کے اس دور میں یہ قابلِ عمل بھی ہے۔
۲. جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ اختلافِ مَطالع کا اعتبار کیا جائے اور اس کے مطابق اپنے اپنے علاقے میں چاند دیکھ کر عید اور روزے کا فیصلہ کیا جائے۔

دونوں میں سے کسی بھی قول پر عمل کی گنجائش موجود ہے، مگر اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ علمائے کرام ہر علاقے میں متفقہ طور پر فیصلہ کریں۔ وہ جو فیصلہ بھی کریں گے درست ہوگا اور اس میں برکت ہوگی، لیکن مسلمانوں میں وحدت کا اہتمام اور متفقہ فیصلہ بہت زیادہ ضروری ہے۔ یہ

صورتحال انتہائی تکلیف دہ ہے کہ امریکہ، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک میں ایک ہی شہر میں کچھ لوگوں کا روزہ ہوتا ہے اور کچھ کا نہیں ہوتا اور عید کے موقع پر بھی کچھ مسلمان عید منا رہے ہوتے ہیں اور کچھ روزے سے ہوتے ہیں۔ بالخصوص برطانیہ میں بعض ذمہ دار حضرات کے بقول حکومت مسلمانوں کو عیدین کے لیے سرکاری چھٹی کی سہولت دینے کے لیے تیار ہے، لیکن اس اختلاف کی وجہ سے ایسا نہیں ہو پا رہا۔ اجتہادی مسائل میں اختلاف رائے اور مختلف اقوال کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ اجتماعی حالات اور ضروریات کے تحت ان میں سے کوئی قول بھی اختیار کیا جا سکتا ہے اور علمائے کرام باہمی مشاورت و اتفاق سے کوئی بھی فیصلہ کر سکتے ہیں، لیکن برطانیہ، امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کے علمائے کرام اس سہولت سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار دکھائی نہیں دیتے، جو اس مسئلے کا افسوسناک پہلو ہے۔......

# عیسوی تقویم اور ہجری تقویم

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲۲ اگست ۲۰۰۶ء)

## حکیم محمد سعید شہید اور ہجری صدی کی تقریبات

حکیم محمد سعید شہید رحمہ اللہ کی بات میرے ذہن سے اتر چکی تھی، مگر مولانا عبد المجید لدھیانوی نے پھر یاد دلا دی۔ بیسویں صدی عیسوی کے اختتام پر ہم نے اس حوالے سے کچھ پروگرام بنانا چاہے اور اس عنوان سے کچھ فکری اور نظریاتی پروگراموں کی ترتیب کرنا چاہی تو اس سلسلے میں مشاورت اور رہنمائی کے لیے مختلف اربابِ دانش کو خطوط لکھے، جن میں حکیم محمد سعید شہید رحمہ اللہ بھی شامل تھے۔ حکیم صاحب ''الشریعہ'' کے مستقل قاری تھے اور مشوروں سے بھی حسبِ موقع نوازا کرتے۔ ہمارے اس خط کے جواب میں انہوں نے تعجب کا اظہار کیا اور فرمایا کہ

> ''ہم تو صدی کے حوالے سے تقریبات اور دیگر پروگرام ہجری صدی کے اختتام پر کر چکے ہیں اور ہماری صدی وہی ہے۔ آپ حضرات کو یہ نئے پروگرام کیسے سوجھ گئے ہیں؟''

ان کے اس ارشاد پر ہمیں بھی تنبہ ہوا اور ہم نے ہاتھ ڈھیلا کر دیا۔ حکیم صاحب رحمہ اللہ کا یہ ارشاد سو فیصد درست ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مارکیٹ میں رائج الوقت سکہ ہی چلتا ہے، اس لیے ہمارے ذہنوں اور معمولات میں شمسی تقویم کی حکمرانی چلی آ رہی ہے۔

## مولانا عبد المجید لدھیانوی اور ہجری تقویم

گزشتہ ہفتے کے دوران مولانا عبد المجید لدھیانوی دامت برکاتہم کی خدمت میں جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا میں حاضری کا اتفاق ہوا اور انہوں نے بڑی شفقت اور دعاؤں سے نوازا، جبکہ اس سے قبل دار العلوم مدنیہ، ماڈل ٹاؤن، بہاولپور میں ختمِ بخاری شریف کی تقریب کے موقع پر ان کے ارشادات

سننے کا موقع ملا۔ انہوں نے ہجری سن اور تقویم کے بارے میں بطور خاص بات کی اور کہا کہ

"ہمارے دینی مدارس کے امتیازات اور خدمات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہجری تقویم کو زندہ رکھا ہوا ہے، اس طرح کہ دینی مدارس کے تعلیمی سال کا دورانیہ، امتحانات، تعطیلات اور دیگر متعلقہ امور ہجری سن کے اعتبار سے طے پاتے ہیں، ورنہ ہماری عام زندگی میں ہجری سن، تاریخ اور تقویم کا کوئی حوالہ باقی نہیں رہ گیا۔ حالانکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ چونکہ بہت سے شرعی احکام و فرائض کی ادائیگی قمری ماہ و سال سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے چاند کی رؤیت اور ہجری مہینوں اور سالوں کا حساب رکھنا امت کے لیے فرضِ کفایہ کا درجہ رکھتا ہے اور اس وقت یہ فرضِ کفایہ پوری امت کی طرف سے صرف دینی مدارس ادا کر رہے ہیں۔"

## سعودیہ کے سرکاری نظم میں ہجری تقویم

مجھے اس موقع پر یاد آیا کہ سعودی عرب بھی اس فرضِ کفایہ کی ادائیگی میں ہمارے ساتھ شریک ہے اور سعودی عرب کے سرکاری اور دفتری امور ہجری سن و ماہ کے لحاظ سے انجام پاتے ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر اس سلسلے میں دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ ایک موقع پر میں نے لندن سے واپسی پر سعودی عرب میں کچھ وقت گزارنے کا پروگرام بنایا اور سعودی سفارت خانے سے وزٹ ویزا حاصل کر لیا، جو ایک ماہ کے لیے تھا۔ میں نے عمرہ کے ویزے کی درخواست دی تھی، مگر ان دنوں عمرہ کا ویزہ نہیں لگ رہا تھا۔ اس لیے مجھے ایک دوست کی سفارش پر سعودیہ کے سفیر محترم نے خصوصی حکم کے ذریعے وزٹ ویزا جاری کرا دیا، میں نے اسے غنیمت سمجھا اور ریاض، جدہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بدر اور دیگر مقامات کی خوب سیر کی اور عمرہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوا۔

سعودی ویزے پر عیسوی تقویم کے ساتھ ساتھ ہجری تقویم کے اعتبار سے بھی تاریخ درج ہوتی ہے اور سرکاری طور پر اسی کا اعتبار ہوتا ہے۔ میں نے یہ پورا ماہ سعودیہ میں گزارا اور جب واپسی کے لیے جدہ ایئرپورٹ پہنچا تو صورتحال یہ تھی کہ ہجری ماہ کے حوالے سے سعودی عرب میں میرا قیام ویزے سے ایک دن زیادہ بنتا تھا، مگر شمسی حساب سے مہینہ پورا تھا۔ مجھے کاؤنٹر پر روک لیا گیا کہ آپ نے ویزے کی مدت کی خلاف ورزی کی ہے اور ایک دن زیادہ گزارا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے

ویزے کی مدت کی خلاف ورزی نہیں کی اور زیادہ وقت نہیں گزارا۔ اس پر کاؤنٹر پر کھڑے افسر اور میرے درمیان خاصی تکرار ہوئی۔ وہ ویزے میں درج قمری تاریخ پر انگلی رکھتا اور کہتا کہ تمہارا قیام ایک دن زائد بنتا ہے اور میں شمسی تاریخ پر انگلی رکھ کر اصرار کرتا کہ میرا قیام ایک ماہ پورا رہا ہے۔ جب ہماری تکرار زیادہ بڑھ گئی تو وہ مجھے اپنے افسر کے پاس لے گیا۔ اس نے ہماری بات سنی، میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور اس افسر سے کہا کہ چھوڑو، جانے دو۔ یوں میری جان چھوٹ گئی، ورنہ مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو، اس تکرار میں میری فلائٹ نکل سکتی ہے۔

## یومِ آزادی کی تاریخ: چودہ اگست اور ستائیس رمضان

مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ نے اس گفتگو میں فرمایا کہ

"ہم قیامِ پاکستان اور آزادی کا دن ۱۴ اگست کو مناتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ہمیں برطانوی استعمار سے آزادی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ملی تھی اور پاکستان بھی ایک نئے ملک کے طور پر اسی روز دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا تھا، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ جس رات پاکستان کے قیام کا باضابطہ اعلان ہوا وہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب تھی اور برکتوں اور رحمتوں والی رات تھی۔ اس لیے اگر ہم اپنی آزادی اور یومِ آزادی کی نسبت ۱۴ اگست کی بجائے ۲۷ رمضان المبارک سے قائم رکھتے اور اس سلسلے کی تقریبات کا ۲۷ رمضان المبارک کو اہتمام کرتے تو ہمیں رمضان المبارک کی برکات کا حصہ بھی ملتا اور رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کی نسبت سے دینی ماحول اور آزادی کے ساتھ دین کا تعلق بھی ذہنوں میں فروغ پاتا، مگر مغرب ہمارے ذہنوں پر اس قدر مسلط ہے کہ ہم اپنی تاریخ اور ماہ و سال کے حساب کا شرعی معیار بھی بھولتے جا رہے ہیں۔ عام لوگ تو رہے ایک طرف، علماء کرام کی اکثریت کا حال بھی یہ ہے کہ نہ قمری تاریخ یاد ہوتی ہے اور نہ مہینہ ذہن میں ہوتا ہے۔"

## والد محترم حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کی یاددہانی

بہرحال یہ ہماری اجتماعی کوتاہیوں میں سے ہے، جس کی طرف توجہ کرنے اور توجہ دلانے کی

ضرورت ہے اور اس ضمن میں ایک اور بات بھی ذہن میں آ رہی ہے، جو میرے والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم ایسے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ

"تاجر حضرات اور زکوٰۃ ادا کرنے والے دیگر لوگوں کے لیے بھی ہجری تقویم کا حساب رکھنا شرعاً ضروری ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی اور اس میں رقم پر سال گزرنے کی شرط میں ہجری اور قمری سن کا اعتبار ہے، جو شمسی سال سے دس دن چھوٹا ہوتا ہے اور دونوں کے حساب میں تینتیس سال میں ایک سال کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی صاحب شمسی حساب سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تو تینتیس سال میں ان کی ایک سال کی زکوٰۃ رہ جائے گی جو انہوں نے ادا نہیں کی ہوگی۔"

بہرحال اس سال میں نے ۱۴ اگست کا دن کراچی میں گزارا۔ اس روز جامعہ انوار القرآن آدم ٹاؤن نارتھ، کراچی میں ختم بخاری شریف کی تقریب تھی، جامعہ کے مہتمم مولانا فداء الرحمٰن درخواستی مدظلہ کے ارشاد پر میری حاضری ضروری تھی، مگر ۱۳ اگست کو رات جامعہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خان پور کے سالانہ اجتماع کی آخری نشست میں حاضری کے بعد کراچی کے سفر کا عزم کیا تو اگرچہ تیز گام پر میری سیٹ بک تھی، مگر گاڑیاں مسلسل دس دس بارہ بارہ گھنٹے لیٹ ہو رہی تھیں، اس لیے اسے ترک کرنا پڑا اور کوچ پر بیٹھ گیا، جس نے گیارہ گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد صبح ساڑھے دس بجے کراچی پہنچا دیا۔......

# رؤیتِ ہلال کا مسئلہ
# اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان کے ریمارکس

(روزنامہ پاکستان، لاہور - ۲۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء)

## مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی اور علماء پشاور کا اختلاف

رؤیتِ ہلال کا مسئلہ اس بار پھر تنازع کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے اور اس کی بازگشت سپریم کورٹ کے ایوانوں میں بھی سنائی دینے لگی ہے۔

- ۲۳ ستمبر (۲۹ شعبان) کو مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین مولانا مفتی منیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ ملک کے کسی بھی حصے سے چاند دیکھے جانے کی شہادت موصول نہیں ہوئی اس لیے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ یکم رمضان المبارک ۲۵ ستمبر کو پیر کے روز ہوگی۔
- جبکہ صوبہ سرحد کے وزیر مذہبی امور مولانا امان اللہ حقانی کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے پشاور میں علماء کے سامنے چاند دیکھنے جانے کی شہادتیں پیش کی گئی ہیں جن کی بنیاد پر انہوں نے ۲۴ ستمبر اتوار کو یکم رمضان المبارک قرار دینے کا اعلان کیا اور اسی روز پہلا روزہ رکھا۔

چنانچہ ان دو اعلانات کے حوالے سے صورتحال یہ ہے کہ ملک کے بیشتر حصوں میں رمضان المبارک کا آغاز پیر سے ہوا، مگر صوبہ سرحد کے بعض حصوں میں اس سے ایک دن قبل اتوار سے رمضان المبارک شروع ہو گیا تھا۔ اب جوں جوں عید الفطر نزدیک آ رہی ہے یہ مسئلہ دوبارہ بحث و مباحثہ کا موضوع بن رہا ہے، اور صوبہ سرحد سے بھی اس کے بارے میں دو مختلف ردعمل سامنے آ چکے ہیں:

۱. مردان کے ایک خطیب مولانا محمد خان صاحب نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں

درخواست دائر کی ہے کہ چونکہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی ایک آئینی ادارہ ہے، اس لیے عدالتِ عظمیٰ اس کے فیصلوں پر عملدرآمد کو لازمی قرار دے، اور اس کے بغیر کسی ادارے کی طرف سے رؤیتِ ہلال کے اعلان کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ مگر سپریم کورٹ آف پاکستان کے پشاور کے بنچ نے، جو جسٹس سردار محمد رضا خان اور جسٹس ناصر الملک پر مشتمل ہے، یہ کہہ کر اس درخواست کو نامنظور کر دیا ہے کہ عوام کی مرضی ہے کہ وہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان پر عمل کریں یا رؤیتِ ہلال کے سلسلہ میں کسی پرائیویٹ کمیٹی کے اعلان کو قبول کریں، اس لیے اس سلسلہ میں کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔

۲. دوسری طرف صوبہ سرحد کے قدیمی دارالافتاء نجم المدارس کلاچی (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے کہ روزے، اعتکاف اور عید کے سلسلہ میں مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اعلان ہی معتبر ہے، اور چونکہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی تمام مسالک کے جید علماء کرام پر مشتمل ہے، اس لیے اس سلسلہ میں اسی کے اعلان کو قبول کیا جانا چاہیے اور سب کو اسی پر عمل کرنا چاہیے۔

پشاور اور بعض دیگر علاقوں میں اس سے قبل بھی باقی ممالک سے ایک روز قبل روزہ رکھنے اور ایک روز قبل عید کرنے کی روایت چلی آ رہی ہے، اور ایسا کرنا کئی بار ہو چکا ہے، لیکن اس بار صوبہ سرحد کی حکومت کے اس سلسلے میں خود فریق بننے، سپریم کورٹ میں اس مسئلے کے اٹھائے جانے، اور ایک اہم دارالافتاء کی طرف سے اس مسئلہ پر واضح اظہارِ رائے کے بعد اس بحث نے نئی صورت اختیار کر لی ہے اور بہت سے سوالات کھڑے کر دیے ہیں، جن پر اہلِ علم کو توجہ دینی چاہیے اور قوم کی راہنمائی کرنی چاہیے۔ ان میں سے ایک دو سوالات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

## مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا پس منظر

جہاں مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا تعلق ہے اس کا پس منظر یہ ہے کہ صدر محمد ایوب خان کے دور تک صورتحال یہ تھی کہ اگرچہ سرکاری طور پر چاند نظر آنے یا نہ آنے کا اعلان کیا جاتا تھا، لیکن چونکہ اس کا نظم صرف سرکاری ہوتا تھا، اس لیے عام طور پر اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا تھا، اور ہر علاقے میں علماء کرام اپنے طور پر چاند دیکھنے کا اہتمام کر کے اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ اس صورت میں اکثر

ایسے ہوجاتا تھا کہ:

- ایک شہر میں عید ہورہی ہے مگر اس سے تھوڑے فاصلے پر دوسرے شہر میں عید نہیں ہے۔
- یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک مسلک کے لوگ روزے رکھے ہوئے ہیں مگر دوسرے مسلک کے لوگوں کی عید ہے۔
- یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک شہر کے کچھ لوگ عید منا رہے ہیں اور اسی شہر کے باقی لوگوں کا روزہ ہے۔
- بلکہ ایک بار گوجرانوالہ میں ایسا بھی ہوا ہے کہ خود ہمارے دیوبندی مسلک کے بعض علماء کرام نے عید کی اور اسی مسلک کے دوسرے علماء عوام کو روزہ رکھوائے ہوئے تھے۔

یہ صورتحال پریشان کن ہوگئی تھی اور ہر طرف افراتفری کی کیفیت ہوجایا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی روزے یا عید کے سرکاری اعلانات سے اختلاف کی پاداش میں بعض علماء کرام کے خلاف کاروائی بھی ہوئی تھی اور بدمزگی کی ایک اور شکل پیدا ہوجایا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک سال عید کے سرکاری اعلانات سے اختلاف کی وجہ سے چار بڑے بڑے علماء کرام (۱) مولانا غلام غوث ہزارویؒ (۲) مولانا احتشام الحق تھانویؒ (۳) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۴) مولانا مفتی محمد حسین نعیمیؒ گرفتار ہوئے اور کم و بیش ایک ماہ نظر بند رہے۔ اس دور میں روزے یا عید کا سرکاری اعلان تو متنازعہ سمجھا ہی جاتا تھا، مگر آپس میں ایک دوسرے کے اعلانات پر بھی اعتماد نہیں کیا جاتا تھا، اور ہر شہر اور ہر مسلک کے علماء کرام چاند دیکھے جانے کے بارے میں خود اپنی تسلی ضروری تصور کرتے تھے، جس سے روزے یا عید کے حوالے سے ملک بھر میں خلفشار کی کیفیت پیدا ہوجایا کرتی تھی۔

اس پس منظر میں کچھ اصحابِ فکر نے دونوں وجوہ کو سامنے رکھتے ہوئے مسئلے کا حل پیش کیا کہ روزے یا عید کا اعلان تو سرکاری طور پر ہی ہونا چاہیے، تاکہ باہمی خلفشار سے بچا جاسکے، لیکن یہ اعلان سرکاری اہلکاروں کی طرف سے نہ ہو بلکہ اس کے لیے تمام مکاتبِ فکر کے جید علماء کرام کی ایک مشترکہ کمیٹی قائم کردی جائے جو چاند کے دیکھے یا نہ دیکھے جانے کا شرعی اصولوں کے مطابق فیصلے کرے، اور اس کا اعلان بھی وہی کرے، لیکن اس کے اعلان کو سرکاری اعلان کی حیثیت حاصل ہو تاکہ اس پر ملک بھر میں یکساں طور پر عملدرآمد ہوسکے۔

## مولانا مفتی محمودؒ کی مساعی

مجھے یاد ہے کہ مسئلہ کے اس حل کو عملی صورت میں لانے کے لیے حضرت مولانا مفتی محمودؒ سب سے زیادہ فکر مند تھے، انہی کی کوششوں سے مختلف مکاتب کے سرکردہ علماء کرام پر مشتمل مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا سرکاری طور پر قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ اور اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ صورتحال پیدا ہوگئی تھی کہ پشاور، مردان اور بعض دیگر علاقوں میں اگرچہ اس سے ہٹ کر فیصلہ کیا جاتا تھا اور اس پر عمل بھی ہوتا تھا، لیکن باقی پورے ملک میں مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے مطابق روزے اور عید کا اہتمام متفقہ طور پر ہونے لگ گیا تھا۔ اس سے قبل ہمارے ہاں پشاور کی مسجد قاسم علی خان کی طرح گوجرانوالہ کی مرکزی جامع مسجد اس سلسلے میں سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتی تھی، اور روزے یا عید کا چاند دیکھنے اور اس سلسلے میں شہادتیں لے کر فیصلہ کرنے کے لیے علماء کرام، استاد العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالواحدؒ کے پاس جمع ہوجایا کرتے تھے۔ بسا اوقات ساری ساری رات بحث و مباحثے میں گزر جایا کرتی تھی اور فیصلہ نہیں ہو پاتا تھا، لیکن مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے قیام کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔

## مولانا مفتی عبدالواحدؒ کا اعتماد

میں نے اگلے سال ایسے موقع پر حضرت مولانا مفتی عبدالواحدؒ سے عرض کیا کہ کیا حسبِ سابق علماء کرام سے رابطے کیے جائیں تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، اب ہم مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے پر عمل کریں گے۔ چنانچہ اس کے بعد سے ایسا ہو رہا ہے کہ الگ طور پر چاند دیکھنے یا اس کے بارے میں فیصلے کرنے کی قدیمی روایت ترک ہوگئی ہے۔ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی جو بھی فیصلہ کرے ہم اس پر عمل کرتے ہیں، اور کم و بیش پورے ملک میں مذکورہ بالا استثنا کے ساتھ اب صورتحال یہی ہے۔

## متحدہ مجلسِ عمل کی صوبائی حکومت اور حالیہ خلفشار

میرے خیال میں اس مسئلے میں خلفشار کی نئی صورت صوبہ سرحد میں ایم ایم اے کی حکومت کے اس سلسلے میں مبینہ طور پر فریق بننے سے رونما ہوئی ہے۔ ورنہ پشاور، مردان اور دیگر بعض قبائلی

علاقوں میں ہر سال الگ سے روزہ اور عید کا فیصلہ کیے جانے کے باوجود ملک بھر میں روزہ اور عید کے سلسلہ میں اتفاق کی صورت پیدا ہوگئی تھی، اور بعض علاقوں کے اختلافات کو ان کا ''تفرد'' سمجھ کر گوارا کر لیا گیا تھا، لیکن متحدہ مجلسِ عمل کی صوبائی حکومت نے چاند کے مسئلے پر فریق بن کر اس تفرد کو باقاعدہ تنازع کی شکل دے دی ہے۔ یہاں دو سوالات غور طلب ہیں جن کی طرف اہلِ علم کو توجہ دلا رہا ہوں:

۱. ایک یہ کہ خود علماء کرام اور دینی جماعتوں کی مرضی کے مطابق مرکزی سطح پر جید علماء کرام پر مشتمل رؤیتِ ہلال کمیٹی کی تشکیل کے بعد کیا کسی شہر میں الگ طور پر رؤیتِ ہلال کے اہتمام کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اور اگر اس الگ اہتمام کی صورت میں عوام کی خلفشار پیدا ہوتا ہو، کیا ایسے الگ اہتمام کو باقی رکھنے کا کوئی جواز ہے؟

۲. اور دوسرا یہ کہ جب مرکزی سطح پر چاند کا اعلان حکومت نہیں بلکہ جید علماء کرام کی کمیٹی کرتی ہے اور اسے ہی سرکاری اعلان تصور کیا جاتا ہے، تو کیا صوبہ سرحد کی حکومت کا اس میں فریق بن کر اپنی طرف سے فیصلے کا اہتمام کرنا درست ہے؟

فقہ اسلامی کے ایک طالب علم کے طور پر مجھے ان دونوں باتوں سے اختلاف ہے اور میں انہیں درست نہیں سمجھتا، اور اسی وجہ سے سپریم کورٹ آف پاکستان کے پشاور بنچ کے دو معزز ججوں کے ریمارکس کے بارے میں تحفظات رکھتے ہوئے نجم المدارس کلاچی کے فتویٰ کو درست تصور کرتا ہوں۔ اس سلسلہ میں اور بھی بہت سے سوالات ہیں اور اگر کسی صاحبِ علم نے سنجیدگی کے ساتھ اس طرف توجہ دی تو ان کے بارے میں بھی کچھ معروضات پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا، ان شاءاللہ تعالیٰ۔

# قمری تقویم کی ترجیح مولانا مفتی محمودؒ کی نظر میں

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲۲ جنوری ۲۰۰۷ء)

......جمعیۃ پبلکیشنز لاہور کی طرف سے شائع کردہ ان افادات کا مجموعہ ''تفسیر محمود'' کے نام سے تین جلدوں میں میرے سامنے ہے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاذ حضرت مولانا محمد یوسف خان اور حضرت مولانا صدر الشہیدؒ آف بنوں کے فرزند مولانا حفیظ الرحمٰن نے اس سال حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے ان دروس کو تحریری صورت میں ضبط کیا تھا۔ جبکہ حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی، مولانا عبد الرحمٰن، پروفیسر امجد علی شاکر اور حافظ محمد ریاض درانی نے اسے مرتب کتاب کی شکل دی ہے۔ تین جلدوں میں قرآن کریم کا ترجمہ مکمل ہے البتہ تفسیری حواشی تمام آیات پر نہیں ہیں مگر جن مقامات پر حضرت مفتی صاحب نے قرآنی علوم واحکام کی تشریح کی ہے وہ ان کے خصوصی ذوق کی آئینہ دار ہے۔ حضرت مفتی صاحب کا امتیازی ذوق عصرِ حاضر کے مسائل کو سامنے رکھ کر ان پر آیات و احادیث کا انطباق تھا اور آیاتِ قرآنی سے دورِ حاضر کے مسائل کے بارے میں استدلال واستنباط تھا جو جابجا جھلکتا ہے اور اس ذوق کے حاملین کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے تفسیری ذوق کا اندازہ ان افادات کے تفصیلی مطالعہ سے ہی پورے طور پر ہو سکتا ہے البتہ بطور نمونہ اس کی چند جھلکیاں قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔

شمسی اور قمری سال میں قمری تقویم کی ترجیح کی وجہ بیان کرتے ہوئے مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ''قمری ماہ میں واضح علامت چاند کی ہے کہ ایک دیہاتی اور پہاڑی کی چوٹی پر رہنے والا، جنگل اور بیابان میں رہنے والا، صحراؤں کے دامن میں رہنے والا یہ معلوم کر لے کہ آج چاند کی کیا تاریخ ہے۔ اور اس علامت میں ماہ وسال کو عالم فضا میں رکھا گیا کہ کرۂ ارض پر کوئی شخص اس قدرتی کیلنڈر سے شاکی نہ رہے اور ہر آدمی اتنا دیکھ کر تاریخ معلوم کر سکے۔ جبکہ بارہ ماہ پر مشتمل شمسی سال کی تقسیم جعلی (مصنوعی) ہے۔ دراصل شمس اپنی

ایک دائرہ کی حرکت ایک سال میں مکمل کرتا ہے اور قمر ہر ماہ دائرہ پورا کرتا ہے۔ مثلاً شمس اگر آج حمل میں ہے تو دوبارہ پورے سال کے بعد برج حمل میں آئے گا۔ اس کو لوگوں نے بارہ پر تقسیم کر دیا ہے۔ لیکن قمر ہر ماہ کو حرکتِ ذاتی سے براہ راست ثابت کرتا ہے اور ایک ماہ کی قمری حرکت بالکل واضح ہے۔ اب دیکھیے کہ حرکت شمس ایک دائرہ میں ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے ہوتی ہے، اب ۳۶۵ دنوں کو تو ۳۱، ۳۰، ۲۸ میں تقسیم کر دیا ہے لیکن چھ گھنٹے ہر سال باقی رہ جاتے ہیں، چار سال بعد چوبیس گھنٹے بچ گئے لہٰذا انہوں نے کہا کہ چار سال بعد فروری کا مہینہ ۲۸ دن کی بجائے ۲۹ دن کا ہوگا اور اس میں بچت شامل ہوگی۔ یہ تو بالکل جعلی (مصنوعی) ہے۔ اسلام ہمیشہ اس بات کی تائید کرتا ہے جس کا تعلق عوام سے ہو کیونکہ قرآن کریم کا تعلق عوام سے ہے اسی وجہ سے قرآن کریم نے قمری مہینہ کو ترجیح دی ہے۔“

......

# شمسی و قمری سال اور اجتہاد کا شرعی تصور

(۲۰۰۸ء کے دوران مدینۃ العلم، ورجینیا، امریکہ میں خطاب)

...... دنیا میں وقت اور دن کا نظام سورج کی گردش کے حساب سے چلتا ہے جبکہ ایام کے تعیّن کا نظام چاند کی گردش کے حساب سے ہوتا ہے۔ سورج کی گردش والا سال شمسی سال کہلاتا ہے اور جنوری، فروری، مارچ، اپریل وغیرہ کے مہینے شمسی سال کے مہینے ہیں۔ جبکہ چاند کی گردش والا سال قمری سال کہلاتا ہے اور محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی وغیرہ قمری سال کے مہینے ہیں۔ اسلامی کیلنڈر اس لحاظ سے قمری ہے کہ اسلام میں دِنوں اور مہینوں کا حساب چاند کے لحاظ سے ہے۔ مگر اسلامی عبادات کا نظام دونوں گردشوں سے متعلق ہے، سورج سے بھی اور چاند سے بھی۔ ہماری عبادات اور شرعی معاملات میں سورج کی گردش کا اعتبار بھی ہے اور چاند کی گردش کا اعتبار بھی ہے۔

اسلامی شریعت میں ایام کا تعیّن چاند سے ہوتا ہے۔ ہم جب ایام اور مہینے طے کرتے ہیں تو چاند کے اعتبار سے کرتے ہیں۔ شبِ برات، شبِ معراج، شبِ قدر، ایامِ بیض، یومِ عاشورہ اور ایامِ حج وغیرہ قمری مہینوں کے اعتبار سے معلوم کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح روزے کے دنوں کا تعیّن کہ یہ پہلا روزہ ہے، یہ اکیسواں ہے، یہ ستائیسواں ہے، یہ انتیسواں ہے وغیرہ، یہ رمضان کے مہینے کے اعتبار سے ہیں جو کہ چاند کا مہینہ ہے۔ اسی طرح حج کے ایام کا تعیّن بھی چاند کے مہینے یعنی ذی الحج کے حساب سے طے ہوتے ہیں کہ آج یوم الترویہ ہے، آج یوم الحج ہے اور آج یوم الاضحیٰ ہے وغیر ذالک۔ لیکن ہم جب اوقات طے کرتے ہیں تو ان میں سورج کا اعتبار ہوتا ہے۔ ہم نمازوں کے اوقات سورج کی گردش سے طے کرتے ہیں۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور دیگر نفلی نمازوں کے اوقات کا تعلق سورج کی گردش سے ہوتا ہے۔ سورج کی گردش کا دورانیہ بڑھ جائے تو نمازوں میں وقفہ زیادہ ہوجاتا ہے، اور سورج کی گردش کا دورانیہ کم ہوجائے تو نمازوں کے درمیان وقفہ کم ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ہماری روزمرہ نمازیں سورج کے اعتبار سے ہیں۔ اسی طرح رمضان یا غیر رمضان کے روزوں کا دورانیہ

بھی سورج کے حساب سے ہی ہے۔ طلوع فجر سے روزے کا آغاز ہوتا ہے اور غروب آفتاب پر روزے کا اختتام ہوتا ہے۔ ایسے ہی حج کے اعمال میں بھی اوقات کا تعلق سورج سے ہے کہ رمی کس وقت کرنی ہے، مزدلفہ کب جانا ہے، عرفات سے کب آنا ہے وغیرہ۔

عام طور پر یہ خیال ہوتا ہے کہ اسلام میں صرف چاند کا اعتبار ہے، ایسی بات نہیں ہے۔ چاند کا اعتبار دِنوں کے تعیّن میں ہے لیکن عبادات کے اوقات میں ہم روزمرہ سورج کی گردش کے مطابق چلتے ہیں۔ اس طرح ہمارے ہاں عبادات میں چاند اور سورج دونوں کا یکساں اعتبار ہے۔ البتہ چاند کا سال سورج کے سال سے چھوٹا ہوتا ہے۔ تقریباً دس دن کا فرق ہے۔ مفسرین اس میں بہت سی حکمتیں بیان فرماتے ہیں۔ ایک حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ چاند کا مہینہ ہر تینتیس میں چکر مکمل کرلیتا ہے۔ یعنی تینتیس سال میں چاند چاروں موسموں (دنیا میں جہاں جہاں چار موسم ہوتے ہیں) میں گردش پوری کرلیتا ہے۔ اگر ایک مسلمان کو بالغ ہونے کے بعد طبعی عمر کو پہنچنے تک تیس پینتیس سال مل جائیں تو وہ سال کے ہر موسم کے روزے رکھ لیتا ہے۔ اسے ٹھنڈے روزے بھی مل جاتے ہیں اور گرم بھی۔ چھوٹے، درمیانے اور لمبے روزے سبھی مل جاتے ہیں۔ حج کا بھی یہی معاملہ ہے، حج بھی تینتیس سال میں موسموں کی گردش پوری کرتا ہے۔ یہاں ضمناً ایک بات قابلِ ذکر ہے۔ فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا حساب قمری سال کے اعتبار سے کرنا چاہیے اور ایسا کرنا شرعاً ضروری ہے۔ ورنہ اگر ہم شمسی سال کے اعتبار زکوٰۃ کا حساب کریں گے تو تینتیس سال میں ایک سال کی زکوٰۃ کم ادا ہوگی۔ جیسا کہ ہمارے زندگی کے عام حسابات شمسی مہینوں یعنی جنوری اور فروری وغیرہ کے حساب سے چلتے ہیں۔ اگر کوئی اپنی سالانہ زکوٰۃ بھی اسی حساب سے دیتا ہے تو تینتیس شمسی سالوں میں چونتیس قمری سال گزریں گے۔ اس حساب سے ایک سال کی زکوٰۃ ادا ہونے سے رہ جائے گی۔

آج سے بیس پچیس سال قبل جب گرمیوں کے روزوں کا دور تھا تو ہمارے ہاں پاکستان میں ایک بحث چلی کہ کیا یہ ضروری ہے کہ روزے گرمیوں میں رکھے جائیں؟ ایک صاحب نے اخبار میں مضمون لکھا جسے ان کے ہم خیال لوگوں نے بہت سراہا کہ بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ ان صاحب نے کہا کہ یہ گرمیوں یعنی جون، جولائی اور اگست وغیرہ کے روزے بھٹی پر کام کرنے والے مزدور کے لیے اور مونجی کاشت کرنے والے کاشت کار کے لیے بہت سخت ہوتے ہیں۔ یہ کدو کرنا (مونجی کاشت کرنا)

بڑا مشکل کام ہوتا ہے، سخت گرمی اور حبس کے موسم میں اوپر سے دھوپ پڑ رہی ہوتی ہے اور نیچے زمین میں گرم پانی ہوتا جس میں کاشت کار ایک ایک کر کے پودے زمین میں پیوست کرتے ہیں۔ تو ان صاحب نے کہا کہ یہ جو رمضان سارا سال گھومتا ہے کہ کبھی جولائی میں آجاتا ہے اور کبھی اگست میں آجاتا ہے تو علماء کرام کو امت پر ترس کرنا چاہیے کہ وہ اجتہاد کر کے رمضان کا گھومنا پھرنا بند کریں۔ یہ باقاعدہ مضمون چھپا اور اس پر بحث و مباحثہ ہوا کہ چونکہ علماء اجتہاد کر سکتے ہیں اس لیے علماء کو اس معاملے میں اجتہاد کرنا چاہیے۔

آج کل ہمارے ہاں اجتہاد کا ایک خاص تصور پیدا ہو گیا ہے۔ ایک تو اجتہاد کا شرعی تصور ہے، وہ پہلے بھی تھا، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ شریعت میں اجتہاد کا تصور یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا نیا مسئلہ پیدا ہو جائے جس کے بارے میں قرآن مجید یا نبی کریمؐ کی سنت میں کوئی واضح ہدایت موجود نہیں ہے تو ایسی صورتحال میں علماء کرام قرآن و سنت کی روشنی میں کچھ شرائط کے ساتھ اس مسئلے کا حل تلاش کریں۔ یعنی علماء کرام قرآن و حدیث میں ملتی جلتی مثالوں کو سامنے رکھ کر اس مسئلے کا کوئی حل نکالیں۔ شریعت میں جو اجتہاد کا تصور ہے میں نے مختصراً اس کی تعریف عرض کی ہے۔ لیکن ایک اجتہاد کا تصور نیا ہے۔ ہمارے ہاں اجتہاد کا یہ تصور بن چکا ہے اور جدید ذہن کے نوجوانوں کا یہ خیال ہے کہ علماء کرام کو دین کی طرف سے شاید کوئی صوابدیدی اختیار حاصل ہوتا ہے جو اپنی سخت مزاجی کی وجہ سے اسے استعمال نہیں کرتے۔ اس کی مثال کے لیے ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ کافی عرصہ پہلے میں ٹرین پر لندن سے مانچسٹر جا رہا تھا۔ ایک نوجوان نے میری وضع قطع سے دیکھا کہ مولوی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں تو وہ آکر میرے پاس بیٹھ گیا۔ سلام جواب کے بعد اس نے پوچھا کہ کیا آپ مولانا صاحب ہیں؟ میں نے کہا، لوگ یہی کہتے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا آپ اجتہاد کر سکتے ہیں؟ میں نے کہا بھئی مسئلہ بتاؤ، بات کیا ہے۔ اس نے پھر پوچھا، نہیں پہلے آپ بتائیں کہ کیا آپ کے پاس اجتہاد کی اتھارٹی ہے؟ میں نے کہا بھئی مسئلہ بتاؤ، اگر میری سمجھ میں آیا اور میرے پاس اس کا حل ہوا تو بتا دوں گا۔ بہرحال اس نے بتایا کہ میں بحمد اللہ مسلمان ہوں اور پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میری جاب ایسی ہے کہ اس کی وجہ سے مجھے ظہر اور عصر کی نمازیں بروقت ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا جس کا میں نے اپنے طور پر ایک حل نکال رکھا ہے، وہ یہ کہ میں ظہر کی نماز فجر کے ساتھ جبکہ عصر کی

نماز مغرب کے ساتھ پڑھ لیتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اس کی اجازت دے دیں اس سے میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ بھئی یہ جو عصر کی نماز تم مغرب کے ساتھ پڑھتے ہو اِس کی گنجائش تو شریعت میں ہے کہ نماز قضا ہوئی لیکن بہر حال ادا ہوگئی۔ لیکن یہ جو ظہر کی نماز تم فجر کے ساتھ پڑھتے ہو اِس کی گنجائش دینے کی میرے پاس کوئی اتھارٹی نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اجتہاد کے غلط استعمال کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، میں تمہیں اس کا ایک حل بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ ایسی جاب کی تلاش کی کوشش جاری رکھو جہاں تم اپنی ساری نمازیں وقت پر پڑھ سکو، لیکن جب تک ایسی جاب نہیں ملتی تب تک ظہر اور عصر دونوں نمازیں مغرب کے ساتھ پڑھ لیا کرو، یہ نمازیں قضا ہوں گی لیکن بہر حال ہو جائیں گی۔

میں نے یہ واقعہ اس لیے عرض کیا ہے کہ آج کل اجتہاد کا ایک غلط تصور پایا جاتا ہے کہ ہمارے علماء کرام کو عیسائیت کے پاپائے روم کی طرح کے کوئی اختیارات حاصل ہیں۔ یعنی وہ کسی بھی حلال کو حرام اور کسی بھی حرام کو حلال قرار دے سکتے ہیں۔ اور پھر یہ خیال کہ یہ مولوی صاحبان ضدی ہوتے ہیں اور عوام کو کوئی سہولت نہیں دینا چاہتے اس لیے یہ اپنا اجتہاد کا اختیار استعمال نہیں کرتے۔

خیر میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ مضمون نگار نے تجویز پیش کی کہ علماء کرام مل بیٹھ کر اجتہاد کریں اور رمضان کے مہینے کو کسی اچھے سے موسم میں بند کر دیں۔ ان صاحب نے کہا کہ میری ذاتی تجویز یہ ہے کہ فروری کا مہینہ رمضان کا ہو جبکہ یکم مارچ کو عید الفطر ہو، اس طرح رمضان کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور عید کا جھگڑا بھی طے ہو جائے گا۔ یہ لوکل و گلوبل مون سائٹنگ کمیٹیاں اور یہ چاند دیکھنے کے جھگڑے وغیرہ، سب ختم ہو جائیں گے۔ اس پر بحث مباحثہ ہوا، میں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ انہی دنوں جب میں نے اس موضوع پر روایات وغیرہ تلاش کیں تو میرے سامنے یہ ساری باتیں آئیں۔ تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں بھی رمضان ہی کے روزے تھے، ان کا رمضان بھی سارا سال گھومتا تھا، انہیں بھی جولائی اور اگست کے روزے تنگ کرتے تھے اور انہوں نے بھی یہی تجویز اپنے علماء کے سامنے پیش کی۔ لیکن ہوا یہ کہ ان کے علماء نے ان کی بات مان لی۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے علماء نے فیصلہ کیا کہ ٹھیک ہے لوگوں کو یہ سہولت دے دیتے ہیں کہ کسی اچھے موسم میں روزے رکھ لیا کرو۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ چونکہ یہ ہم روزوں کے اصل نظام میں گڑبڑ کر رہے

ہیں، اس لیے تیس روزے تو پورے رکھیں گے لیکن ساتھ دس روزے کفارے کے بھی رکھیں گے۔ چنانچہ یہ جو مذہبی عیسائی چالیس روزے رکھتے ہیں اور ایسٹران کی عید الفطر ہوتی ہے جو اپریل کے پہلے عشرے کے دوران میں کسی اتوار کو یہ قرار دے دیتے ہیں۔ گویا مارچ کا مہینہ اور اپریل کا کچھ حصہ، یعنی تیس روزے پورے اور ساتھ دس کفارے کے۔

میں نے مضمون نگار سے کہا کہ بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل والوں نے گڑبڑ کی تھی تو تیس سے چالیس روزوں پر گئے تھے۔ جبکہ تم ہم سے گڑبڑ کروا رہے ہو تو تیس سے کم کر کے اٹھائیس روزوں پر لے جا رہے ہو۔ میں نے کہا، کچھ خدا کا خوف کرو یار۔ تین سال اٹھائیس کے اور چوتھے سال انتیس کے جبکہ تیسواں روزہ بالکل ختم جو کہ سب سے مشکل روزہ ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ تفسیری روایات کے مطابق بنی اسرائیل میں بھی رمضان چاند کا مہینہ تھا، اور وہ بھی سارے سال میں گھومتا تھا، انہوں نے اپنی سہولت کے لیے اس میں رد و بدل کی۔ لیکن اسلام نے سابقہ پوزیشن بحال کر دی کہ روزے رمضان کے ہی ہوں گے اور سارے موسموں میں اسی طرح گردش کریں گے۔ جبکہ روزے کا دورانیہ کم کر کے رات خارج کر دی گئی کہ صبح طلوع فجر سے روزہ شروع ہو گا اور غروب آفتاب تک رہے گا۔ یہ اسلام نے روزے کے نظام میں دو بڑی اصلاحات کیں۔......

# امریکہ میں رؤیتِ ہلال کا مسئلہ

(روزنامہ اسلام، لاہور — ۳ ستمبر ۲۰۰۸ء)

حسبِ سابق اس سال بھی امریکہ میں چاند کا مسئلہ زوروں پر ہے اور علمی و دینی مجالس میں ان دنوں زیادہ تر یہی مسئلہ زیرِ بحث رہتا ہے۔

## فلکیاتی حسابات کی بنیاد پر ایام کا تعیّن

مسلمانوں کا ایک حلقہ ایسا ہے جو فلکیات کے حساب کی بنیاد پر پہلے سے رمضان المبارک اور عید الفطر کے دن کا اعلان کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس سال بہت پہلے سے ان کی طرف سے اعلان کر دیا گیا تھا کہ بروز پیر یکم ستمبر کو یکم رمضان المبارک ہوگی۔ ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ چونکہ فلکیات کا حساب اس قدر سائنٹفک ہو چکا ہے کہ اس کے اندازوں میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا، اس لیے جس طرح ہم نمازوں کے اوقات کے تعیّن میں فلکیات کے حساب اور سائنسی اداروں کی تحقیقات پر اعتماد کر کے پورے سال کا نقشہ پہلے سے چھپوا لیتے ہیں کہ فلاں دن اس وقت سورج طلوع ہوگا، اس وقت زوال ہوگا، اس وقت سورج غروب ہوگا، اور اس وقت شفقِ احمر یا شفقِ ابیض غائب ہوگی، اور اس کے لیے ہم سورج کو دیکھنے اور اس کی چال پر نظر رکھنے کا اہتمام نہیں کرتے، اسی طرح چاند کے معاملے میں بھی سائنسی اداروں کی تحقیقات پر اعتماد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ان کے بنائے ہوئے نقشوں کے مطابق ہمیں پہلے سے روزے، عید اور قربانی وغیرہ کے ایام کا تعیّن کر لینا چاہیے۔ چنانچہ وہ عملاً ایسا ہی کرتے ہیں۔

## رؤیتِ ہلال کی بنیاد پر ایام کا تعیّن

دوسری طرف علماء کرام کی ایک بڑی تعداد اور دینی تنظیموں کا موقف یہ ہے کہ چاند کے معاملے میں چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ خاص رؤیت کا حکم دیا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ چاند دیکھ کر

روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو، اس لیے رمضان، عید الفطر، اور حج وغیرہ کے ایام کے تعین کے لیے چاند کی رؤیت ضروری ہے اور اسی بنیاد پر روزے اور عید کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ سورج کی رفتار کے ساتھ ہماری نمازوں کے اوقات کا تعین وابستہ ہے لیکن اس کے بارے میں رؤیت کے اہتمام کا اس طرح کا حکم نہیں ہے، اس لیے اس میں ہم سائنسی اداروں کی تحقیقات کو بنیاد بنا لیتے ہیں اور روزانہ سورج کی رفتار دیکھے بغیر پہلے سے نمازوں کے اوقات کا تعین کر لیتے ہیں۔ مگر چاند کے بارے میں رؤیت کا بطور خاص حکم ہے اس لیے اس معاملے میں رؤیت کو ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

## اختلافِ مَطالع کا معاملہ

امتِ مسلمہ کے جمہور علماء کرام کا موقف یہی ہے اور امریکہ میں بھی دینی حلقوں کی اکثریت اسی پر عمل کرتی ہے، البتہ اصولی طور پر رؤیت کی بنیاد پر روزے اور عید وغیرہ کا فیصلہ ضروری سمجھنے کے باوجود اس کی تفصیل پر اختلاف ہے:

- ایک حلقہ یہ کہتا ہے کہ دنیا میں کہیں بھی چاند دیکھے جانے کی خبر شرعی اصولوں کے مطابق مل جائے تو روزے اور عید کا اعلان کر دینا چاہیے۔ چنانچہ یہاں کے عرب حلقے اور ان کے دینی مراکز چاند دیکھنے کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ سعودی عرب میں چاند کا اعلان ہو جانے پر روزے اور عید کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔
- مگر بہت سے دینی حلقے بالخصوص پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش سے تعلق رکھنے والے علماء کرام اور دینی مراکز امریکہ میں الگ سے چاند دیکھنے کے اہتمام کو ضروری سمجھتے ہیں اور اس کی بنیاد پر روزے اور عید کے دن کا تعین کرتے ہیں۔

اس وجہ سے یہاں کم و بیش ہر سال یہ کیفیت ہوتی ہے کہ دو عیدیں تو یقینی ہیں، کبھی کبھار بعض علاقوں میں تین عیدیں بھی ہو جاتی ہیں۔ گزشتہ روز یہاں واشنگٹن میں ایک پاکستانی فیملی سے تعلق رکھنے والے دوست مجھے بتا رہے تھے کہ بعض گھروں میں بھی ایسا ہو جاتا ہے کہ میاں عید کر رہے ہیں اور بیوی روزے سے ہے، باپ کا روزہ ہے اور بیٹے عید کی نماز پڑھنے جا رہے ہیں۔ بعض حضرات اپنے رشتہ داروں سے عید ملنے جاتے ہیں تو وہ آگے روزے سے ہوتے ہیں۔

اس سال بھی ایسا ہی ہو رہا ہے، ہیوسٹن کے جامعہ اسلامیہ کے مہتمم مولانا حافظ محمد اقبال نے، جو چشتیاں سے تعلق رکھتے ہیں اور علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل ہیں، اس مسئلہ پر میرے ساتھ ایک مستقل نشست کی کہ ہمارے مرکز میں نمازیوں کی اکثریت عرب حضرات کی ہے وہ سعودی عرب کے اعلان پر روزہ اور عید کرتے ہیں، جبکہ ہم امریکہ میں چاند دیکھنے کا اہتمام کرتے ہیں، اس لیے ہمارے ہاں ہر سال خلفشار کی صورت ہوتی ہے۔ عرب حضرات ہماری بات نہیں مانتے اور ہم ان کی بات کو قبول نہیں کرتے۔ حافظ محمد اقبال صاحب کا کہنا ہے کہ وہ عمل تو ان حضرات کے ساتھ کرتے ہیں جو امریکہ میں چاند کی رؤیت کو ضروری سمجھتے ہیں، لیکن ان کے خیال میں اب یہ ہوتا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کے لیے اور مسلمان حلقوں اور خاندانوں کو اس خلفشار سے نجات دلانے کے لیے سعودی عرب کے اعلان پر آ جانا چاہیے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں خاصا مواد جمع کر رکھا ہے اور ان کا موقف یہ ہے کہ جب احناف متقدمین کے نزدیک اختلافِ مَطالع کا اعتبار نہیں ہے اور ہمارے بڑے اکابر کی صراحت موجود ہے کہ اہلِ مغرب کی رؤیت اہلِ مشرق کے لیے حجت ہے، تو پھر ہمیں مسلمانوں کی وحدت کے لیے اسی قدیمی موقف کی طرف واپس چلے جانا چاہیے۔

## فقہی اختلافات اور امت کی اجتماعی ضرورت

دو روز قبل بالٹیمور میں مولانا محمد عرفان صاحب کے دارالعلوم میں بھی اسی قسم کی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر جگہ دوست مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کا فتویٰ کیا ہے؟ میں نے ہر جگہ یہ عرض کیا کہ میں مفتی نہیں ہوں اور نہ ہی فتویٰ دیا کرتا ہوں، البتہ ایسے مسائل پر یہ رائے ضرور رکھتا ہوں کہ جس معاملے میں فقہی اور شرعی طور پر ایک سے زیادہ آرا کی گنجائش موجود ہو، اور اجتہادی بنیاد پر فقہاء کے اقوال مختلف ہوں، وہاں مسلمانوں کی اجتماعیت اور عمومی مصلحت کو فیصلے کی بنیاد بنایا جانا چاہیے۔

مثال کے طور پر میں نے ایک مسئلہ کا حوالہ دیا کہ بٹائی یعنی حصے پر زمین کاشت کے لیے دوسروں کو دینے کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے، مگر صاحبین یعنی امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اس پر فقہاء احناف نے تفصیلی بحث کی ہے۔ ایک دور میں اس مسئلہ پر میں نے بھی کچھ کام کیا تھا اور ہفت روزہ ترجمانِ اسلام لاہور میں اس موضوع پر میرا ایک مقالہ کئی قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ اس دوران فقہاء احناف کی بحث کا مطالعہ

کرتے ہوئے حضرت ملا علی قاریؒ کا یہ قول میری نظر سے گزرا، جس کا میں نے اپنے مضمون میں حوالہ بھی دیا، کہ مزارعت کے مسئلہ پر دلائل تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں لیکن عمومی مصلحت چونکہ صاحبین کے قول پر عمل کرنے میں ہے اس لیے فتویٰ انہی کے قول پر دیا جاتا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے حضرت مولانا ظفر احمدؒ عثمانی نے بھی اسی طرح کی بات لکھی ہے۔ چنانچہ اس نوعیت کے مسائل میں میرا طالب علمانہ رجحان یہی پختہ ہوگیا ہے کہ اجتہادی مسائل میں جہاں دونوں طرف گنجائش موجود ہو، فیصلہ کرتے وقت مسلمانوں کی اجتماعیت اور عمومی مصلحت کو ترجیح دینی چاہیے۔

میں نے رمضان المبارک کا آغاز دارالحکومت واشنگٹن کے علاقے میں کیا ہے۔ یہاں صورتحال یہ ہے کہ دارالہدیٰ سپرنگ فیلڈ میں اتوار اور پیر کی درمیانی شب میں تراویح پڑھی گئی ہیں اور تراویح کے بعد میرا بیان ہوا، آج پیر کو ہمارا روزہ ہے۔ لیکن واشنگٹن میں ہمارے ہی حلقے کی دوسری مساجد میں نہ تراویح ہوئی ہے اور نہ ہی آج لوگوں کا روزہ ہے۔ دارالہدیٰ کے مہتمم مولانا عبدالحمید اصغر نے کل مجھ سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ یہاں کے علماء کرام اور دینی حلقے باہمی مشاورت سے اجتماعی فیصلہ کریں، البتہ اس فیصلے میں وہ کسی طرف بھی جا سکتے ہیں:

- وہ اختلافِ مَطالع کا اعتبار کرتے ہوئے چاند کی علاقائی رؤیت کو بنیاد بنانے کا فیصلہ کریں تو یہ بھی شرعاً درست ہے۔
- اور اختلاف مَطالع کا اعتبار نہ کرتے ہوئے سعودی عرب یا کسی دوسری جگہ چاند نظر آنے کے اعلان پر روزہ اور عید کا فیصلہ کریں تو اس میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں۔

مگر اجتماعیت ضروری ہے اور مسلمانوں کو خلفشار سے نکالنا ہماری اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ مولانا عبدالحمید اصغر نے کہا کہ سعودی عرب کے اعلان پر علماء کرام کے تحفظات ہیں کہ وہاں رؤیت پر فیصلہ ہوتا ہے یا کیلنڈر کی بنیاد پر اعلان کیا جاتا ہے؟ اس لیے ہم اس اعلان پر فیصلہ نہیں کرتے، البتہ چونکہ جنوبی افریقہ میں بھی چاند دیکھے جانے کا اعلان ہو چکا ہے اور فیصلہ کرنے والے علماء کرام ہیں، اس لیے ان کے اعلان پر ہم آج تراویح پڑھیں گے اور کل روزہ رکھیں گے۔

## مفتیٔ اعظم سعودی عرب الشیخ عبد العزیز کا موقف

اس موقع پر ایک دوست نے سعودی عرب کے مفتی اعظم الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ آل الشیخ حفظہ اللہ تعالیٰ کا ایک بیان دکھایا جو نیویارک سے شائع ہونے والے ہفت روزہ ''ایشیا ٹربیون'' نے ۳۱/اگست کے شمارے میں اے ٹی وی نیوز کے حوالے سے شائع کیا ہے۔ اس میں انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ محکمہ موسمیات کی پیشگوئی کی بنیاد پر رمضان اور شوال سمیت دیگر اسلامی مہینوں کی تاریخ کا تعین نہیں کیا جا سکتا، اور نیا چاند دیکھے بغیر قبل از وقت پیشگوئی غیر اسلامی ہے۔ اس دوست کا مقصد یہ تھا کہ جب سعودی عرب کے مفتی اعظم رؤیت کو شرعاً ضروری قرار دے رہے ہیں تو سعودی عرب کے رؤیت کے اعلان پر تحفظات کی بنیاد کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ تحفظات تو بہرحال بہت سے علماء کرام کو ہیں اور خود مجھ سے بعض ثقہ اور جید علماء کرام نے مختلف ممالک میں ان تحفظات کا ذکر کیا ہے، لیکن اس سلسلہ میں سعودی حکومت سے بات ہونی چاہیے بلکہ خود سعودی عرب کو عالمِ اسلام کے علماء کرام کو اعتماد میں لے کر رؤیتِ ہلال کا کوئی ایسا نظام طے کرنا چاہیے جو سب کے لیے قابلِ قبول ہو، اور سعودی حکومت کو حرمین شریفین کے حوالے سے اسے دینی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بہرحال میری یہ گزارشات اس مسئلہ پر کسی علمی بحث کا حصہ نہیں ہیں بلکہ اس کے حوالے سے امریکہ کے مسلمانوں کو درپیش صورتحال کے تناظر میں تاثرات کے طور پر ہیں، اس لیے انہیں اسی پس منظر میں دیکھا جانا چاہیے۔

# رؤیتِ ہلال کے سرکاری نظم پر عدمِ اعتماد کیوں؟

(روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۲۸ ستمبر ۲۰۰۹ء)

آج گفتگو کے لیے دو موضوع سامنے ہیں اور دونوں کے بارے میں کچھ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ایک رؤیتِ ہلال کا مسئلہ ہے، جس پر رؤیتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین مفتی منیب الرحمٰن اور صوبہ سرحد کی حکمران جماعت اے این پی کے درمیان بحث و مباحثے کا بازار گرم رہا ہے ...... رؤیتِ ہلال کے حوالے سے یہ تنازعہ تو ہمارے ہاں بہت پرانا ہے کہ پشاور اور بعض دیگر قریبی شہروں کے علماء کرام نے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے نظام پر اعتماد نہ کرتے ہوئے چاند دیکھنے کے لیے اپنا پرائیویٹ نظام بحال رکھا ہوا ہے اور ہر سال کی طرح اس سال بھی انہوں نے اپنا یہ تسلسل قائم رکھا ہے۔ ایک عرصے سے ایسا ہوتا آرہا ہے کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے نظام سے ہٹ کر پشاور، مردان، چارسدہ اور دیگر شہروں کے علماء کرام اپنے طور پر چاند دیکھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کے مطابق رمضان المبارک اور عیدین کرتے ہیں۔

## متحدہ مجلسِ عمل اور عوامی نیشنل پارٹی کی صوبائی حکومتوں کا طرزِ عمل

چند سال قبل متحدہ مجلسِ عمل کی صوبائی حکومت نے بھی ایک موقع پر رؤیتِ ہلال کے اس پرائیویٹ نظام کا ساتھ دیتے ہوئے صوبہ سرحد میں سرکاری طور پر اس کے مطابق عید منانے کا فیصلہ کیا تھا، جس سے یہ خلفشار بڑھ گیا تھا اور خود حکومتی نظام بھی عید کے مسئلے پر دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ اس موقع پر انہی کالموں میں عرض کیا تھا کہ صوبائی حکومت کا اس مسئلے میں فریق بننا درست نہیں ہے۔ اس سال اے این پی کی حکومت نے بھی وہی رول ادا کیا ہے اور دنیا نے یہ تماشہ دیکھا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا وفاق اور تین صوبے ایک دن عید منا رہے ہیں، جبکہ صوبہ سرحد کی حکومت اور کچھ شہروں نے اس سے ایک روز قبل عید منائی۔

## مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے قیام کا پس منظر

اب سے ربع صدی قبل پورے ملک میں یہ صورتحال تھی کہ ہر شہر کے علماء کرام اپنے طور پر چاند دیکھنے کا اہتمام کرتے تھے اور بسا اوقات ایک ہی شہر میں دو دو عیدیں ہوا کرتی تھیں۔ پھر سرکردہ علماء کرام کی کوششوں سے، جن میں مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ بھی شامل تھے، مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے قیام کا سرکاری سطح پر فیصلہ ہوا اور یہ فارمولا طے پایا کہ یہ کمیٹی تمام مکاتبِ فکر کے جید علماء کرام پر مشتمل ہوگی، اس کا چیئرمین بھی انہی میں سے ہوگا اور وہ چاند دیکھنے اور اس کا اعلان کرنے میں خود مختار ہوگی۔ چنانچہ اس کمیٹی کے قیام کے بعد سے ملک کے اکثر شہروں میں پرائیویٹ سطح پر الگ طور پر چاند دیکھنے اور اس کا اعلان کرنے کی روایت ختم ہوگئی اور مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان پر اعتماد کرتے ہوئے ملک بھر میں (چند محدود استثناؤں کے ساتھ) ایک ہی دن عید منانے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

خود ہمارے ہاں گوجرانوالہ میں مرکزی جامع مسجد اسی طرح رؤیتِ ہلال کا مرکز ہوتی تھی، جیسے پشاور میں مسجد قاسم علی خان ہے اور تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام مل بیٹھ کر فیصلے کیا کرتے تھے، لیکن مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے قیام کے بعد حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ نے یہ سلسلہ موقوف کر دیا۔ تب سے والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ سمیت تمام علماء کرام کا معمول یہ چلا آرہا ہے کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان پر روزہ رکھتے اور اسی کے اعلان پر عید کرتے ہیں۔

## مسجد قاسم علی خان پشاور کا رؤیتِ ہلال کا نجی نظم

اس پس منظر میں پشاور کی مسجد قاسم علی خان کے رؤیتِ ہلال کے نظام کا بدستور باقی رہنا اور مسلسل خلفشار کا باعث بننا سمجھ سے بالاتر ہے۔ مولانا مفتی شہاب الدین پوپلزئی ہمارے فاضل دوست ہیں، صاحبِ علم و بصیرت ہیں اور ہمارے مخدوم حضرت مولانا مفتی عبد القیوم پوپلزئیؒ کے فرزند و جانشین ہیں، لیکن اکابر علماء کرام کی مشاورت سے قائم ہونے والے نظام پر اس قدر بے اعتمادی اور اس سے مسلسل بغاوت کا سبب سمجھ سے باہر ہے۔

## سعودیہ کے رؤیتِ ہلال پر اعتماد کی تجویز اور اس کا درست لائحہ عمل

جہاں تک سعودی عرب کے ساتھ عید کرنے کا تعلق ہے، مولانا مفتی شہاب الدین پوپلزئی اور جناب بشیر احمد بلور کی تجویز سے اختلاف نہیں ہے۔ یہ اجتہادی مسئلہ ہے کہ اختلافِ مَطالع جو حقیقتاً تو موجود ہے، لیکن کیا شرعاً اس کا اعتبار ضروری ہے یا نہیں؟ اس پر فقہاء کی آراء مختلف ہیں اور خود فقہائے احناف میں دونوں موقف پائے جاتے ہیں۔ جبکہ اجتہادی مسائل کے حوالے سے اصول یہ ہے کہ علماء کرام مل بیٹھ کر حالات اور ضروریات کی روشنی میں ان میں سے جس موقف پر بھی فیصلہ کر لیں وہی درست ہے، لیکن اس کا فیصلہ اجتماعی طور پر اور قومی سطح پر ہونا چاہیے۔

اگر قومی سطح پر باہمی مشاورت اور اعتماد کے ساتھ یہ فیصلہ ہو جائے کہ ہم سعودی عرب کے ساتھ روزے اور عید کا نظام وابستہ کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، پھر مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی، لیکن اس فیصلے کی اصل جگہ اسلام آباد ہے اور تمام مکاتبِ فکر کے سرکردہ علماء کرام کے ساتھ قومی سطح کی مشاورت کے بعد ہی ایسا فیصلہ ممکن ہے۔ مگر جب تک ایسا کوئی فیصلہ اجتماعی طور پر نہیں ہو جاتا اور اسے قومی فیصلے کا درجہ حاصل نہیں ہو جاتا، اس وقت تک جو نظام رؤیتِ ہلال کے حوالے سے قومی سطح پر موجود ہے، اس کا احترام کرنا ضروری ہے۔ اس کے طرز عمل اور فیصلوں سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے، اگر کوئی اختلاف دلیل کے ساتھ ہے تو وہ ضرور ہونا چاہیے، لیکن اس سے پہلے اس نظام سے بغاوت کرنا اور لوگوں کو خلفشار کا شکار بنانا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ اے این پی کی صوبائی حکومت اور اس کے ساتھ پشاور میں رؤیتِ ہلال کے پرائیویٹ نظام کے ذمہ دار حضرات سے اس سلسلے میں اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کی اپیل کرتے ہیں۔

......

# ہجری سال کا آغاز

(۲۲ دسمبر ۲۰۰۹ء کو مشرق سائنس کالج گوجرانوالہ میں خطاب)

...... محرم الحرام اسلامی سن کا پہلا مہینہ ہے اور اس سے ہمارے ہجری سال کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ سال چاند کی گردش کے حساب سے ہے۔ ہجری اس لیے کہلاتا ہے کہ ہماری تاریخ میں اس کی ابتدا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ہوتی ہے، یعنی جب ہم ۱۴۳۱ھ کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کو ۱۴۳۰ سال گزر چکے ہیں۔ اور ہماری بہت سی عبادات کے ایام کا تعیّن اس سال کے حساب سے ہوتا ہے، اس لیے یہ اسلامی سن بھی کہلاتا ہے۔

سال کا دوسرا حساب جنوری فروری کے حوالے سے، جو شمسی سن کہلاتا ہے، اس لیے ہے کہ اس کا حساب سورج کی گردش کے مطابق ترتیب پاتا ہے۔ اور اسے عیسوی سن بھی کہتے ہیں کہ اس کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ہوتا ہے اور ۲۰۰۹ء کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو دو ہزار نو سال گزر چکے ہیں۔

ویسے ہماری عبادات کا تعلق سورج اور چاند دونوں کی گردش سے ہے، مثلاً نمازوں کے اوقات کا تعیّن سورج کی گردش کے حساب سے ہوتا ہے، اور عیدین اور رمضان کا تعیّن چاند کی گردش کے مطابق ہوتا ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ ایام کا تعیّن ہمارے ہاں چاند کی گردش سے ہوتا ہے، اور اوقات کا تعیّن ہم سورج کی گردش کے مطابق کرتے ہیں۔ رمضان کے ایام چاند کے حساب سے طے پاتے ہیں، مگر روزے کا دورانیہ اور سحر و افطار سورج کی گردش سے متعلق ہے۔ حج کے ایام چاند کی گردش سے متعیّن کیے جاتے ہیں، مگر حج کے مناسک کے اوقات سورج کی گردش کے ساتھ ساتھ ترتیب پاتے ہیں۔ ہماری عبادات کے ایام چاند کی گردش اور ہجری سال سے طے پاتے ہیں، اس کی بہت سے حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ چونکہ چاند کا سال سورج کے سال سے دس دن چھوٹا ہوتا ہے اس

لیے مسلمانوں کو سال کے ہر موسم کے روزے اور ہر موسم کا حج میسر آجاتا ہے۔ ایک مسلمان بالغ ہونے کے بعد طبعی عمر پانے کی صورت میں سال کے ہر موسم کے روزے رکھ لیتا ہے۔......

# امریکہ میں رؤیتِ ہلال کا مسئلہ

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۱۴ اگست ۲۰۱۱ء)

......امریکہ بھر میں رمضان المبارک کے آغاز سے قبل رؤیتِ ہلال پر گرما گرم بحث کا ماحول تھا۔ مختلف حلقوں کے اجلاس ہو رہے تھے، فتوے دیے جا رہے تھے، اخبارات میں اشتہار بازی ہو رہی تھی اور ہینڈ بل تقسیم کیے جا رہے تھے۔ اتفاق سے ایسا ہوا کہ جس روز سعودی عرب میں چاند نظر آیا اسی روز امریکہ میں بھی نظر آ گیا اور اس حسنِ اتفاق نے بحث و مباحثہ کی گرمی کم کر دی۔ میں نے رمضان المبارک کی پہلی تراویح برونکس نیویارک کی مدنی مسجد میں ادا کی۔ راولپنڈی سے تعلق رکھنے والے قاری محمد ایوب نے منزل پڑھی۔ تراویح کے بعد میں نے مختصر خطاب کیا اور رمضان المبارک کے آغاز پر مسلمانوں کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ ایک اور بات پر بھی آپ حضرات کو مبارکباد دینا چاہتا ہوں کہ پورے امریکہ میں اس سال ایک ہی دن رمضان المبارک کا آغاز ہو رہا ہے، خدا کرے کہ آپ حضرات کی عید بھی اکٹھی ہو۔ یہ سن کر بہت سے نمازی مسکرا دیے، عجیب سی مسکراہٹ تھی، مجھے یوں لگا جیسے وہ کہہ رہے ہوں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو گیا ہے، ہمارے بس میں ہوتا تو شاید ایسا نہ ہوتا۔ ایک محترم عالمِ دین نے یہ فرما بھی دیا کہ حسنِ اتفاق سے رمضان المبارک اکٹھے شروع ہو گیا ہے، عید الفطر پر دیکھیے ہماری بحث کیا رخ اختیار کرتی ہے اور ہم لوگ کیا کرتے ہیں......

# فقہی مذاہب اور رؤیتِ ہلال

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ - ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۳ء)

...... یہ چند مثالیں اجتماعی اور قومی سطح کے ان اجتہادات کی ہیں جو ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے درمیانی عرصہ میں اس خطے میں عملاً رونما ہوئے، جبکہ جزوی اجتہادات کا دامن بھی بہت وسیع رہا جس کا مشاہدہ مختلف مکاتبِ فکر کے بیسیوں بڑے مفتی صاحبان کے فتاویٰ اور مراکزِ فتاویٰ کے علمی فیصلوں کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ دار الافتاء کے نام سے قائم ان مراکز کا شمار سیکڑوں میں ہے مگر ان میں بیسیوں ایسے ہیں جو خود علماء کرام اور علمی حلقوں کے لیے مراجع کی حیثیت رکھے ہیں۔ اور ایسے علمی مراکز پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت اور برما میں مختلف فقہی مکاتبِ فکر اور مذاہب کے حوالے سے مسلسل مصروفِ کار ہیں۔ ان مراکز کے جاری کردہ ہزاروں بلکہ لاکھوں فتاویٰ کا جائزہ لیا جائے تو ان میں سیکڑوں ایسے فتاویٰ ملیں گے جن میں مفتیان کرام نے ماضی کے فتاویٰ سے ہٹ کر زمانے کی ضروریات کے پیشِ نظر اجتہادی راستہ اختیار کیا ہے۔ البتہ ان میں اجتہادی دائرہ وہی ہے کہ اپنے اپنے فقہی مذاہب کے دائرے میں رہتے ہوئے اسی کے اصولوں کی روشنی میں نئے فتوے دیے گئے ہیں، جبکہ بعض فتاویٰ میں فقہی مذاہب کے حصار کو کراس کرنے میں بھی مضائقہ نہیں سمجھا گیا۔ مثال کے طور پر دو مسئلوں کا حوالہ دینا چاہوں گا:

- ایک یہ کہ رؤیتِ ہلال میں اختلافِ مَطالع کا اعتبار ہے یا نہیں؟ اس میں احناف متقدمین کا موقف شروع سے یہ چلا آرہا ہے کہ اختلافِ مَطالع کا وجود تو ہے لیکن رؤیتِ ہلال میں شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہے، اور کسی جگہ بھی چاند نظر آجانے کے شرعی ثبوت اور مصدقہ خبر پر باقی سب مقامات پر روزے اور عید کا اعلان ضروری ہے، یا کم از کم یہ ہے کہ ایسا کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ پوزیشن بریلوی مکتبِ فکر کے بانی مولانا احمد رضا خان بریلویؒ اور دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ تک اسی طرح رہی ہے، لیکن اس کے

بعد جب اختلافِ مَطالع کا اعتبار کرنے کا فتویٰ دیا گیا تو متقدمین احناف کے موقف اور فتویٰ کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔

- دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مفقود الخبر خاوند کی زوجہ کو نکاحِ ثانی کی اجازت کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول کی بجائے عمومی ضرورت کی بنا پر مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

یہ دو مسئلے میں نے مثال کے طور پر ذکر کیے ہیں۔ اگر اس رخ پر گزشتہ صدی کے ذمہ دار مفتیان کرام کے فتاویٰ کا جائزہ لیا جائے تو سیکڑوں ایسے فتاویٰ مل جائیں گے جن میں یہ صورت اختیار کی گئی ہے اور یہ عمل محدود پیمانے پر ہی سہی، مگر بہر حال اجتہاد ہی کا عمل ہے۔

مسلمانوں کے تنازعات و مقدمات کے شرعی قوانین کے مطابق فیصلوں کے لیے قضا، تحکیم اور افتاء کے تین ادارے ہیں۔ جن میں سے قضا کے پاس تنفیذ کی قانونی قوت، اور تحکیم کے پاس اس کی اخلاقی قوت موجود ہوتی ہے، جبکہ افتاء کا کام صرف مسئلہ کی شرعی پوزیشن کو واضح کر دینا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ملک کے عمومی قانونی نظام میں ”قضا“ کا شرعی ادارہ موجود نہیں رہا تھا، لیکن اندرونی طور پر نیم خود مختار مسلم ریاستوں میں قضا کا یہ ادارہ بھی کام کرتا رہا ہے۔ مثلاً بہاولپور، قلات، سوات اور دیگر ایسی ریاستوں میں ان کے دائرۂ اختیار کی حدود میں قضا کا شعبہ قائم تھا اور ان میں فقہی احکام وضوابط کے مطابق ریاست کے مقرر کردہ قاضی مقدمات کے فیصلے کرتے تھے۔ ان ریاستوں میں قضا کا یہ ادارہ ان کے پاکستان یا بھارت کے ساتھ الحاق تک موجود رہا ہے، جبکہ تحکیم کے شعبہ نے مختلف علاقوں میں اس خلا کو بعض معاملات میں پر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سے ہٹ کر بعض خطوں میں ”امارت شرعیہ“ کا باضابطہ نظام بھی موجود رہا ہے، البتہ فتویٰ کا شعبہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک برصغیر کے ہر علاقے میں اور ہر سطح پر قائم رہا ہے جس سے عام مسلمانوں کو کسی بھی معاملے میں شریعت کا حکم معلوم کرنے کی سہولت حاصل رہی ہے اور مسلمانوں کی غالب اکثریت مسلسل اس سہولت سے استفادہ کرتی چلی آ رہی ہے......

# نمازوں کے یکساں اوقات اور رؤیتِ ہلال

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۵ جون ۲۰۱۶ء)

وفاقی وزیر مذہبی امور سردار محمد یوسف میاں محمد نواز شریف کی کابینہ کے متحرک وزراء میں شمار ہوتے ہیں اور اپنی وزارت کے مختلف شعبوں میں کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے حج کے سرکاری انتظامات کو بہتر بنانے میں نیک نامی پائی ہے اور گزشتہ سال کے حج انتظامات کو کم و بیش سبھی حلقوں میں سراہا گیا ہے۔ وہ قومی سطح پر تمام مکاتبِ فکر کے سرکردہ علماء کرام اور مشائخ پر مشتمل مشترکہ فورم "قومی علماء و مشائخ کونسل پاکستان" کے قیام میں بھی کامیابی حاصل کر چکے ہیں جو اس حوالے سے یقیناً ایک مثبت پیشرفت ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ملک بھر میں نمازوں کے لیے یکساں اوقات کا نظام ترتیب دینے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں اور رمضان و عید کے چاند کے بارے میں اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔

نمازوں کے لیے یکساں اوقات کے تعیّن کی مہم تو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ ہمارے خیال میں نہ یہ ضروری ہے اور نہ ہی قابلِ عمل ہے، البتہ رؤیتِ ہلال کے سلسلہ میں اتفاقِ رائے کا ماحول پیدا کرنے کے لیے ان کی مساعی قابلِ قدر ہیں اور ہم ان کی کامیابی کے لیے دعاگو ہیں۔

ان دونوں حوالوں سے اپنے ایک مخدوم و محترم بزرگ استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ کا تذکرہ کرنا چاہوں گا، وہ پرانے اور بزرگ علماء کرام میں سے تھے، گوجرانوالہ کی قدیم مرکزی جامع مسجد کے خطیب اور مدرسہ انوار العلوم کے مہتمم تھے، والد بزرگوار حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کے استاذ گرامی تھے، اور میں نے والد محترمؒ کو ان کا بے حد احترام کرتے ہوئے اور ان سے مختلف امور میں ہمیشہ راہنمائی حاصل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ مجھے بحمد اللہ تعالیٰ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۸۲ء تک مسلسل تیرہ سال مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ کی خطابت میں ان کی نیابت کا شرف حاصل رہا ہے، اور ان کی وفات کے بعد سے اب تک یہ ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہوں۔ وہ تقسیمِ ہند سے قبل جمعیۃ العلماء ہند کے

سرگرم راہنماؤں میں شمار ہوتے تھے، اس دور میں جمعیت کے ضلعی صدر بلکہ ایک مرحلہ میں کانگریس کے ضلعی صدر بھی رہے ہیں۔ سیاسی، علمی اور فقہی معاملات میں ان کی رائے کو ہمارے ہاں ہمیشہ سند اور دلیل کا درجہ حاصل رہا ہے۔ رؤیتِ ہلال اور دینی وسیاسی تحریکات کے معاملہ میں ان کے دور میں مرکزی جامع مسجد (شیرانوالہ باغ) گوجرانوالہ کو پورے علاقے میں وہی مقام حاصل تھا جو پشاور میں مسجد قاسم علی خان کو حاصل ہے بلکہ وہ مسجد قاسم علی خان کے سابق خطیب حضرت مولانا مفتی عبد القیوم پوپلزئیؒ کے دوستوں میں سے بھی تھے۔

## نمازوں کے یکساں اوقات کی تجویز

میرے سامنے کی بات ہے کہ گوجرانوالہ میں ایک انتہائی نیک دل پولیس افسر سٹی انسپکٹر کے طور پر تعینات ہوئے، وہ دیندار اور خدا ترس آدمی تھے، علماء کرام کے ساتھ زیادہ میل جول رہتا تھا، پکے نمازی تھے اور اپنے عملہ کو بھی پابند رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ انہوں نے ایک موقع پر تجویز پیش کی کہ وہ شہر میں نمازوں کے لیے ایک ہی وقت مقرر کرانا چاہتے ہیں تاکہ اذان اور نماز ایک وقت میں ہوں اور نماز کے لیے بازار بند ہو جایا کریں۔

اکثر لوگوں نے ان کے اس جذبہ کو سراہا اور ان کی حمایت کی مگر مولانا مفتی عبد الواحدؒ نے اس سے اختلاف کیا۔ انہوں نے کہا کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ کسی اور نماز کے لیے بازار بند کرانا شرعاً ضروری نہیں ہے، اور یہ لوگوں کو خواہ مخواہ حرج میں ڈالنے والی بات ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے نمازوں کے اوقات میں گھنٹوں کی گنجائش دی ہے کہ اس دوران کسی وقت بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے، تو اس گنجائش کو محدود کر کے لوگوں کو ایک ہی وقت میں نماز ادا کرنے پر مجبور کرنا شریعت کا تقاضہ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے علاقہ یعنی شیرانوالہ باغ بازار تھانے والا کے اردگرد مساجد میں نمازوں کے اوقات میں باہمی مشورہ کے ساتھ فرق رکھا ہوا ہے کہ دکاندار حضرات باری باری کسی نہ کسی مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کر لیں۔

میری ذاتی رائے انسپکٹر صاحب کے حق میں تھی لیکن چونکہ میں سرکاری اجلاسوں میں حضرت مفتی صاحبؒ کی نمائندگی کرتا تھا، اس لیے انہوں نے مجھے پابند کیا کہ اگر کسی اجلاس میں یہ بات آئی تو تم نے اس کی مخالفت کرنی ہے اور ان کو سمجھانا ہے کہ ایسا کرنا نہ تو شرعاً ضروری ہے اور نہ ہی حکمت کا

تقاضہ ہے۔ مفتی صاحبؒ کی بات میں وزن تھا اس لیے انسپکٹر صاحب کو بات جلد سمجھ آگئی اور کسی اجلاس اور فیصلے کی نوبت نہ آئی۔

## مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی پر اعتماد

رؤیتِ ہلال کے بارے میں صورتحال یہ تھی کہ مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ اسی طرح رؤیتِ ہلال کی سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتی تھی جیسا کہ پشاور کی مسجد قاسم علی خان ابھی تک اپنی روایت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ رمضان المبارک اور عیدین کا چاند دیکھنے کے لیے شیرانوالہ باغ کی مسجد میں علماء کرام جمع ہو جایا کرتے تھے اور تمام مکاتبِ فکر دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث حتیٰ کہ شیعہ علماء بھی وہیں رجوع کرتے تھے۔ رات گئے تک شہادتوں کا انتظار رہتا تھا، گواہ لائے جاتے تھے، ان سے شہادت سنی جاتی تھی، ردو جرح ہوتی تھی، اور اکثر اوقات سحری کے لگ بھگ فیصلہ ہوا کرتا تھا۔ پورے علاقہ میں جامع مسجد کے فیصلے کا انتظار کیا جاتا تھا، فون کے ذریعے بھی رابطہ کیا جاتا تھا لیکن فون کی سہولت کم ہوتی تھی اس لیے بہت سے علاقوں کے لوگ خود جامع مسجد میں آکر بیٹھ جاتے تھے کہ فیصلہ سن کر واپس جائیں گے۔ حضرت والدگرامی مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ گکھڑ میں رہتے تھے مگر مسلسل رابطہ رکھتے تھے اور کوئی فیصلہ کرنے سے قبل دریافت کرتے تھے کہ جامع مسجد میں کیا فیصلہ ہوا ہے؟ رؤیتِ ہلال کی شب مرکزی جامع مسجد میں علماء کرام کی سرگرمیاں اور گہما گہمی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

مگر جب حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ جیسے اکابر کی مساعی سے حکومتی سطح پر مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی قائم ہوئی تو ہمارے ان دونوں بزرگوں یعنی مولانا مفتی عبدالواحدؒ اور مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے رؤیتِ ہلال کے سلسلہ میں قدیم سے چلا آنے والا یہ اہتمام یکسر ترک کر دیا۔ اس سے اگلے سال میں نے حضرت مفتی صاحبؒ سے دریافت کیا کہ رؤیتِ ہلال کے اہتمام کے لیے علماء میں سے کس کس کو بلانا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے، اب یہ ذمہ داری مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کی ہے، وہ جو اعلان کریں گے اسی کے مطابق ہم عمل کریں گے، یہی بات حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے فرمائی، تب سے اسی پر ہمارے ہاں مسلسل عمل چلا آرہا ہے۔

چنانچہ ہم سردار محمد یوسف صاحب کی رؤیتِ ہلال کے سلسلہ میں اتفاق رائے کا ماحول پیدا کرنے کی اس کوشش کی مکمل حمایت کرتے ہوئے ان کی کامیابی کے لیے دعاگو ہیں، آمین یارب العالمین۔

# ”رؤیتِ ہلال: قانونی وفقہی تجزیہ“

(جون ۲۰۱۷ء)

(ڈاکٹر محمد مشتاق احمد کی کتاب ”رؤیتِ ہلال: قانونی وفقہی تجزیہ“
کے پیش لفظ کے طور پر لکھا گیا۔)

بعد الحمد والصلوۃ۔ رؤیتِ ہلال کا مسئلہ ہمارے ہاں طویل عرصہ سے بحث ومباحثہ اور اختلاف و تنازعہ کا موضوع چلا آ رہا ہے اور مختلف کوششوں کے باوجود ابھی تک کوئی تسلی بخش اجتماعی صورت بن نہیں پا رہی۔ اکابر علماء کرام کی مساعی سے حکومتی سطح پر مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی قائم ہوئی تو امید ہوگئی تھی کہ اب یہ مسئلہ مستقل طور پر طے پا جائے گا، مگر ملک کے بیشتر حصوں میں اجتماعیت کا ماحول قائم ہو جانے کے باوجود بعض علاقوں میں انفرادیت کی صورتیں ابھی تک موجود ہیں۔ اور میڈیا کی وسعت، پالیسی اور مزاج کے باعث قومی اجتماعیت کی وہ صورت نہیں بن رہی جس کی مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے وجود میں آنے کے بعد توقع ہوگئی تھی۔

اس کے اسباب کسی حد تک فقہی اور شرعی ہونے کے ساتھ بڑی حد تک سیاسی اور معاشرتی بھی ہیں کہ حکومت اور دینی حلقوں کے درمیان شرعی معاملات میں اعتماد کی وہ فضا وجود میں نہیں آسکی جو اس قسم کے معاملات میں حکومتی احکام کی عملداری قائم کرنے کے لیے از حد ضروری ہے۔ ایک اسلامی یا کم از کم مسلم ریاست میں بہت سے معاملات میں حکومت ہی اتھارٹی ہوتی ہے جس کی فقہاء کرام نے مختلف معاملات میں صراحت کی ہے، لیکن اس اتھارٹی کے عملی اظہار کے لیے باہمی اعتماد کی فضا ناگزیر ہوتی ہے۔ بیرونی استعمار کے تسلط سے قبل مسلم ریاستوں میں سیاسی اور گروہی اختلافات و تنازعات کے باوجود یہ اعتماد پایا جاتا تھا کہ حکومت خود جیسی بھی ہو، شرعی معاملات میں گڑبڑ نہیں کرے گی اور علماء کرام کے مشورہ سے ہی شرعی مسائل کو طے کرے گی، حتیٰ کہ اکبر بادشاہ کے ”دینِ الٰہی“ کے عروج کے دور میں بھی عام لوگوں کے شرعی معاملات ان کے قاضیوں کے ذریعے ہی طے کیے جاتے

رہے ہیں۔ یہ اعتماد بیرونی استعمار کے تسلط کے زمانے میں قائم نہیں رہا، جس کا تسلسل آزادی کے بعد کے دور میں بھی جاری ہے، اور اسی وجہ سے اس قسم کی بہت سی معاشرتی الجھنیں موجود ہیں جن میں سے ایک رؤیتِ ہلال کا مسئلہ بھی ہے۔ اکابر علماء کرام کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ ایسے معاملات میں اجتماعیت کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور تفرقہ وانتشار سے قوم کو ہر ممکن حد تک بچایا جائے، چنانچہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا قیام اکابر علماء کرام کی توجہ اور مساعی کے نتیجے میں عمل میں آیا تھا اور کسی حد تک مرکزیت واجتماعیت کی صورت سامنے آگئی تھی۔

خود میرا مشاہدہ ہے کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے باضابطہ قیام سے پہلے گوجرانوالہ کی مرکزی جامع مسجد کو علاقہ میں وہی پوزیشن حاصل تھی جو پشاور کی مسجد قاسم علی خان کو اس سلسلہ میں حاصل چلی آرہی ہے۔ حضرت مولانا مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ تعالیٰ کا شمار ملکی سطح پر اکابر علماء کرام میں ہوتا تھا اور وہ میرے والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے استاذ محترم تھے۔ انہیں پورے علاقہ میں مرکزیت و مرجعیت حاصل تھی۔ چاند دیکھنے کے لیے مرکزی جامع مسجد میں اس رات شہر کے بڑے بڑے علماء کرام جمع ہوتے تھے، رات گئے تک شہادتوں کا انتظار رہتا تھا، اور بسا اوقات سحری کے وقت فیصلہ ہوا کرتا تھا۔ اردگرد کے علماء کرام جامع مسجد کے فیصلے کے انتظار میں ہوتے تھے۔ والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ بار بار پوچھتے تھے کہ جامع مسجد گوجرانوالہ میں کیا اعلان ہوا ہے؟ لیکن جب مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی بن گئی اور اس نے کام شروع کر دیا تو جامع مسجد کی چاند رات کی رونقیں آہستہ آہستہ ختم ہوتی چلی گئیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر خود میں نے حضرت مفتی صاحبؒ سے پوچھا کہ رؤیتِ ہلال کا فیصلہ کرنے کے لیے علماء کرام کو بلانا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا، کوئی ضرورت نہیں ہے، جو فیصلہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کرے گی، ہم اس پر عمل کریں گے۔

مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی اگرچہ اس سلسلہ میں مجاز اتھارٹی ہے، مگر اس کے فیصلوں اور طرز عمل سے علمی بنیاد پر اختلاف کی گنجائش ہر دور میں موجود رہی ہے، جس کا اظہار مرکز گریز حلقوں کی طرف سے مسلسل ہوتا آرہا ہے اور بحث و مکالمہ کے مختلف پہلو اس حوالے سے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس پس منظر میں اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی صاحبِ علم اس مسئلہ کے تمام متعلقہ پہلوؤں کا فقہی اور علمی بنیاد پر جائزہ لے کر اس کے مجموعی تناظر کو سامنے لائیں تاکہ اس سلسلہ

میں کوئی رائے آسانی کے ساتھ قائم کی جاسکے۔ بہت سے اصحابِ علم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور ان کی کاوشیں مسئلہ کو سمجھنے میں یقیناً مددگار ہیں، لیکن بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ قانون کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر مشتاق احمد ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے زیادہ وسیع تناظر میں اس مسئلہ کا جائزہ لیا ہے اور اس کی فقہی و فنی ضروریات کا احاطہ کرنے کے ساتھ معاشرتی ماحول اور قانونی صورتحال کو بھی سامنے رکھا ہے۔ وہ ایک مسلّمہ علمی خاندان کے فرد ہیں، دینی اور عصری علوم پر یکساں نظر رکھتے ہیں، قانونی پیچیدگیوں اور موشگافیوں سے بخوبی آگاہ ہیں، اور معاشرتی ماحول کے تقاضوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہیں۔ چنانچہ ان کی اس علمی کاوش میں ان کی یہ تمام خصوصیات جھلک رہی ہیں۔ انہوں نے جس عرق ریزی کے ساتھ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، وہ لائقِ تحسین ہے اور اس کے حل کے لیے جو تجاویز پیش کی ہیں، وہ معروضی حالات میں بہت مناسب بلکہ ضروری ہیں۔ اور ہم صرف ایک گذارش کے ساتھ ان کی تمام تجاویز کی تائید کرتے ہیں کہ مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کے لیے ریاستی اداروں، عوام اور دینی حلقوں کے درمیان باہمی اعتماد کی ایسی فضا کا قائم کرنا بھی ضروری ہے جو شرعی معاملات میں حکومتی اقدامات کی عملداری کو یقینی بنا سکے۔

دعاگو ہوں کہ اللہ رب العزت محترم ڈاکٹر پروفیسر مشتاق احمد صاحب کی اس علمی محنت کو اس مسئلہ کے حل کے لیے مؤثر ذریعہ بنائیں اور انہیں دنیا و آخرت میں قبولیت و رضا سے بہرہ ور فرمائیں، آمین یا رب العالمین۔

# مسئلہ رؤیتِ ہلال پر دو تجاویز

(روزنامہ اسلام، لاہور – ۱۵ جون ۲۰۱۷ء)

رمضان المبارک نصف سے زیادہ گزر گیا ہے اور عید الفطر کی آمد آمد ہے۔ عید کے موقع پر رؤیتِ ہلال کا مسئلہ پھر حسبِ سابق زیر بحث آئے گا اور میڈیا حسبِ عادت اس سلسلہ میں اختلاف کی من مانی تشہیر کرے گا۔ اس حوالے سے ہم اپنا موقف مختلف مواقع پر اس کالم میں تحریر کر چکے ہیں کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی ایک باقاعدہ ریاستی ادارہ ہے، اسے مجاز اتھارٹی کے طور پر پاکستان میں سب جگہ تسلیم کیا جانا چاہیے۔ اور اگر اس کے کسی فیصلے سے اختلاف ہو تو اسے اختلاف کے درجہ میں رکھتے ہوئے صحیح طریقہ سے حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے مگر کوئی متوازی فیصلہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ لیکن یہ ایک رائے ہے جسے قبول کرنا یا نہ کرنا متعلقہ دوستوں کی صوابدید پر موقوف ہے۔ البتہ آج کے کالم میں ہم دو محترم دوستوں کی رائے شامل کرنا چاہتے ہیں، ہو سکتا ہے اس اختلاف و تنازعہ کو بہتر طور پر حل کرنے میں ان سے کوئی راہنمائی مل جائے۔

## عالمی سطح پر سعودیہ کی رؤیت پر اعتماد کی تجویز

مولانا مفتی منیر احمد اخون ہمارے فاضل دوست ہیں، استاذ العلماء حضرت مولانا نیاز محمد ختنیؒ آف بہاولنگر کے فرزند اور شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے داماد و خلیفہ ہیں۔ کافی عرصہ سے نیویارک میں مقیم ہیں اور ایک علمی مرکز قائم کر کے فتویٰ اور اصلاح و ارشاد کے میدان میں مسلمانوں کی راہنمائی کر رہے ہیں۔ ان کی تجویز یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کی رؤیت پر اعتماد کر کے پوری دنیا کے مسلمانوں کو اس کے مطابق ایک ہی دن روزہ کا آغاز کرنا چاہیے اور ایک ہی دن عید منانی چاہیے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں کتاب بھی لکھی ہے جس کی گزشتہ دنوں اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں تقریب رونمائی منعقد ہو چکی ہے۔ انہوں نے برصغیر پاک و ہند کے دو بڑے مذہبی مکاتبِ فکر دیوبندی اور بریلوی کے اکابر علماء کرام کے فتاویٰ کو اس تجویز کی بنیاد بنایا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا یہ

ارشاد انہوں نے ''الکوکب الدری'' سے نقل کیا ہے کہ

''اگر کلکتہ (ہندوستان) میں چاند جمعہ کی رات میں نظر آیا اور مکہ میں خمیس (جمعرات) کی رات کو، اور کلکتہ والوں کو پتہ نہ چل سکا کہ مکہ میں رمضان خمیس (جمعرات) سے شروع ہو چکا ہے، تو جب ان کو اس بات کا پتہ چلے گا تو ان کے لیے ضروری ہو گا کہ عید مکہ والوں کے ساتھ منائیں اور پہلا روزہ قضا کریں''۔

حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ کا فتویٰ ''فتاویٰ رضویہ'' سے انہوں نے اس طرح نقل کیا ہے کہ

''عمرو کا قول، کہ ہندوستان سے دور دراز ملک مکہ معظمہ میں ۲۹ کا چاند ہو گیا ہے تو پھر بہرائچ والوں کو ان کے ساتھ روزہ نہ رکھنے کی بنا پر ایک روزے کی قضا کرنا لازم ہے، صحیح ہے، ہمارے ائمہ کرام کا مذہب صحیح معتمد یہی ہے''۔

جبکہ ''فتاویٰ رحیمیہ'' کے حوالہ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فتویٰ ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے کہ

''اگر مکہ یا مدینہ میں شرعی ثبوت کے ساتھ خبر آجائے کہ وہاں یہاں سے پہلے چاند ہوا ہے تو ہندوستان والوں پر اس خبر کی وجہ سے ایک روزہ رکھنا فرض ہو گا''۔

مولانا مفتی منیر احمد اخون آج کل اس کی باقاعدہ مہم چلا رہے ہیں کہ ان فتاویٰ کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جائے اور ان کی بنیاد پر سب جگہ ایک ہی دن روزے اور عید کے اہتمام کی کوشش کی جائے۔

## پاکستان میں رؤیتِ ہلال کا نظام مؤثر بنانے کی تجویز

جبکہ دوسری تجویز اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق سیکرٹری جناب محمد سمیع اللہ کی طرف سے ایک اخباری مکتوب کی صورت میں سامنے آئی ہے، جس میں انہوں نے پاکستان میں رؤیتِ ہلال کے نظام کو بہتر بنانے اور مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے طریق کار کو مزید مؤثر کرنے کے لیے تجاویز پیش کی ہیں۔ ان کی تجاویز انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ویسے ہمارا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں وفاقی شرعی عدالت کو باضابطہ طور پر کردار ادا کرنا چاہیے، یا کم از کم اسلامی نظریاتی کونسل کو موجودہ صورتحال اور مذکورہ تجاویز کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لے کر کوئی مؤثر حل سامنے لانا چاہیے۔ جناب محمد سمیع اللہ اپنے

مکتوب میں لکھتے ہیں کہ

”راقم نے ۱۹۹۰ء میں، جب وہ اسلامی نظریاتی کونسل کا سیکرٹری تھا، کونسل کے باقاعدہ ایجنڈے میں یہ بات شامل کروائی کہ عیدین کے مبارک موقع پر بدمزگی اور انتشار سے بچنے کے لیے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اجلاس باقاعدگی سے صرف پشاور میں ہوا کرے، تاکہ عید کے چاند کے بارے میں قرب و جوار سے موصول شدہ شہادتوں کا شرعی جائزہ لے کر حتمی اعلان کیا جا سکے۔ مزید برآں اس ضمن میں عجلت کا مظاہرہ نہ کیا جائے اور حتمی اعلان سے پہلے بلوچستان کے دور دراز علاقوں مثلاً پسنی، جیوانی، تربت، پنج گور اور مارہ وغیرہ سے بھی اطلاعات کی موصولی کا فوری انتظام کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے پاکستان کے جملہ اضلاع کے ڈپٹی کمشنر صاحبان کو پابند کیا جائے کہ جونہی اپنے علاقوں سے انہیں چاند کے بارے میں کوئی معتبر شہادت موصول ہو تو وہ وہاں کی مرکزی جامع مسجد کے امام، خطیب صاحب سے تصدیق کروا کر فوری طور پر مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی پشاور کو مطلع کریں تاکہ وہ مزید چھان بین کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے تمام ڈی سی صاحبان کے نام اور فون نمبر مشتہر کیے جائیں تاکہ عوام کو ان سے رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔

راقم کی اس تجویز پر کونسل کے اراکین بالخصوص علماء کرام نے اتفاق نہیں کیا اور عذر پیش کیا کہ انہوں نے عید کی نماز کی امامت کروانی ہوتی ہے اور علاقہ کی سرکردہ سرکاری شخصیات نے ان کے پیچھے نماز ادا کرتی ہیں، پشاور جیسے علاقہ سے راتوں رات انہیں اپنے شہروں میں پہنچنا محال ہے، اس لیے یہ تجویز ناقابلِ عمل ہے۔ میرے خیال میں اگر حکومت اور علماء کرام تھوڑی سی قربانی دیں اور اخلاص سے کام لیں تو اس پر عملدرآمد بہت آسان ہو سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ پاک فضائیہ ایک ہوائی جہاز (۱۳۰۔ سی) پشاور کے ہوائی اڈہ پر تیار رہے اور جونہی چاند کے بارے میں سرکاری طور پر حتمی اعلان ہو تو وہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اراکین کو لے کر ایک ہی فلائٹ کے ذریعے ان کی اپنی منزل مقصود کراچی، کوئٹہ، لاہور یا اسلام آباد پہنچا دے۔

جامع مسجد قاسم علی خان پشاور کے خطیب مفتی شہاب الدین پوپلزئی صاحب کو خصوصی طور پر اس بارے میں اعتماد میں لیا جائے تو منزل بفضل تعالیٰ اور بھی آسان ہو جائے گی کہ مسئلے میں اختلاف ہی وہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اس لیے قومی یکجہتی اور عقلمندی کا تقاضا ہے کہ حکمتِ عملی کے ساتھ جائے اختلاف کو جائے اتفاق بنایا جائے۔ مزید برآں چیئرمین رؤیتِ ہلال کمیٹی کی تقرری کی مدت متعیّن کی جائے جو پانچ سال سے زائد نہ ہو۔ مناسب ہوگا کہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے لیے چیئرمین کا بھی انتخاب کیا جائے اور اس کے لیے ملک کے نامور علماء کرام میں سے کسی کو منتخب کیا جائے۔ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی میں علماء کرام کے ساتھ فن سے متعلقہ ماہرین کو بھی شامل کیا جائے تاکہ وہ ان شہادتوں کا تکنیکی طور پر بھی جائزہ لے سکیں۔

میں آپ کے موقر اخبار، جریدے کے ذریعے اربابِ اقتدار اور درد دل رکھنے والے علماء کرام سے ایک بار پھر اپیل کروں گا کہ امت کی فلاح اور یکجہتی کے لیے میری بیان کردہ تجویز کے مندرجہ ذیل تین اہم نکات پر ضرور غور فرمائیں:

۱. مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اجلاس مستقل طور پر صرف پشاور ہی میں ہوا کرے جس کے لیے وزارتِ مذہبی امور ضروری اقدامات کرے تاکہ ملک میں انتشار پیدا نہ ہو۔

۲. چاند نہ نظر آنے کا اعلان سرکاری میڈیا سے گیارہ بجے شب سے پہلے نہ کیا جائے۔

۳. عوام کو اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے ترغیب دی جائے کہ وہ بھی چاند کی جستجو میں رہیں، اور جس کسی کو چاند نظر آئے وہ فوری طور پر اس کی اطلاع اپنے ضلع کے متعلقہ حکام یعنی ڈی سی کو دیں۔

یہاں یہ بھی امر باعثِ رہنمائی ہوگا کہ عرب ٹی وی کے مطابق رمضان کا چاند دیکھنے کے لیے سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات میں عدالتی کونسل کا اجلاس ہوا، جس میں کونسل کے ممبران کو چاند نظر آنے کی کوئی شہادت موصول نہیں ہوئی، جس

کے بعد عرب ممالک میں پہلا روزہ بروز ہفتہ مورخہ ۲۷ مئی ۲۰۱۷ء کو ہونے کا اعلان ہوا۔ چونکہ پاکستان میں ابھی شرعی عدالتی نظام قائم نہیں ہے، اس لیے اطلاعات یعنی شہادتوں کی ترسیل کا کام وقتی طور پر تمام اضلاع کے ڈپٹی کمشنر صاحبان سے لیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے ان کے ٹول فری نمبروں کو مشتہر کیا جائے تاکہ آئندہ رمضان اور عیدین ایک ہی دن کامیابی و کامرانی سے منائے جا سکیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔"

# سورج اور چاند کی نعمتیں

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲ جنوری ۲۰۱۸ء)

......سورج اور چاند دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور ہمارے لیے بڑی نعمتیں ہیں جن سے ہم باقی بہت سے فوائد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دنوں اور اوقات کا حساب بھی طے کرتے ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ کے احکام میں دونوں کا اعتبار کیا جاتا ہے چنانچہ رمضان المبارک، عیدین، لیلۃ القدر، یوم عرفہ اور دیگر ایام کا تعیّن چاند کے حساب سے ہوتا ہے جبکہ نماز، روزہ اور مناسکِ حج کے اوقات سورج کی گردش کے حساب سے طے پاتے ہیں۔ شمسی سال کا موجودہ حساب حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت سے شروع ہوتا ہے اور "عیسوی" اور "میلادی" کہلاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی ولادت کو دو ہزار سترہ سال گزر چکے ہیں۔ جبکہ قمری سال کا موجودہ حساب جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور "ہجری" کہلاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی ہجرتِ مدینہ کو چودہ سو اڑتیس سال گزر گئے ہیں۔ اس طرح سورج اور چاند دونوں کی گردش کا حساب ہمارے شرعی نظام کا حصہ ہے چنانچہ اس تناظر میں نئے شمسی سال ۲۰۱۸ء کا آغاز حمد و نعت کے ماحول میں ہم سب کے لیے باعث رحمت و برکت بنا......